اختلافِ خیالات برا عمل نہیں
لیکن ایک اختلافِ خیال سے دشمن
بن جانا ایک برا عمل ہے

نظمِ خیال

مصنفہ
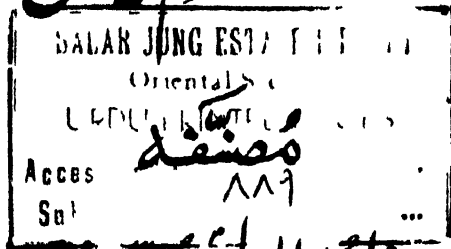
میرزا سلطان احمد مصنف فرحت۔
اخلاقِ احمدی۔ رفیق۔ صدائے الم۔
دلنواز۔ بزمِ خیال۔ یادگارِ حسین۔ صدائے
دلسوز وغیرہ

مطبع کشن چندر لاہور میں باہتمام
منیجر ان چھپا

نظم خیال

ایک یونانی فلاسفر سے پوچھا گیا تھا کہ دنیا کیوں ایک راہ پر نہیں چلتی اُس نے جواب میں کہا کہ اگر ساری دنیا کا ایک دل یا ایک جسم اور یا ایک طبیعت ہو جائے تو شاید یہ خیال پورا ہو سکے۔ ورنہ کوئی اُمید نہیں۔

ایک اور فلاسفر کہتا ہے کہ شمال کی ہوا جنوب کی ہوا کو یہ نہیں کہہ سکتی کہ اب تیرے چلنے کا زمانہ نہیں رہا اور نہ مغرب کی ہوا مشرق کے جھولکوں کو روک سکتی ہے۔ جب تک دنیا کا میدان قایم ہے تب تک ہر ایک جانب کی ہوا چلے گی۔ اور ہر طرف دوڑ ہو گی۔ "تو کون ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ ایسا نہ ہو۔ کیا تیری نارضگی سے بحرِ دنیا کی موجیں اور بھاٹیں بند ہو سکتی ہیں تو اپنی راہ اور اپنی روش پر چل جو تو نے اپنے لئے پسند کی ہے۔ ہاں تو اپنی عمدہ روشوں اور خیالات کو اوروں تک بھی پہونچا کیونکہ تجھے اظہار اور ابلاغ کا اختیار بھی دیا گیا ہے"۔

دشمن کے ندر آور حملے روک سکتے ہیں لیکن انسان کے مونہہ کی ہوائیں نہیں رکتیں ہوائیں چلتی اور گم ہو جاتی ہیں۔ مگر مونہہ کی ہوائیں قایم رہتی ہیں۔ ہوا کے چار رُخ ہیں اور مونہہ کی ہوائیں کروڑوں ہی رُخ رکھتی ہیں۔

اگر یہ چار ہوائیں ایک تھیلے میں بند نہیں ہو سکتیں تو یقین کر لینا چاہیے کہ یہہ کروڑوں ہوائیں بھی کبھی ایک بیگ میں بند نہ ہونگی۔ اگر ہم یہ کوشش کریں کہ تمام

انسانی موہنوں سے یکساں رنگ و روا ور مقدار کی ہوائیں نکلیں اور اُن سب کا ایک ہی رُخ ہو تو یہہ ایسا ہی خیال ہے کہ جیسے کوئی شخص سب ہواؤں کے واسطے ایک ہی درہ یا ایک ہی سوراخ تجویز کرے -

دُنیا کے میدان میں ہر ایک شخص اور ہر ایک متنفس کی یہہ آرزو ہے کہ اُس کے ساتھ تمام لوگ اور تمام دوسری طاقتیں شامل ہوں جس راہ اور جس روش کو وہ پسند کرتا ہے اُسیکو دوسرے اجزا پسند اور اختیار کریں اور یا یہ کہ کم سے کم اُسکی تعریف میں شامل ہوں - انسان کا یہہ ایک ایسا خیال ہے کہ اگر میں اُس کی عمومیت کی وجہ سے اُسے ایک قدرتی اور طبعی خیال کہوں تو شاید کوئی مبالغہ اور تجاوز نہ ہوگا - ہر ایک انسان اپنی ذات پر خیال کر کے کہہ سکتا ہے کہ کیا اُس کی ذات اور طبیعت میں یہ آرزو یا یہ خواہش نہیں ہے یا وہ اس خواہش کو پسند نہیں کرتا - کسر نفسی کی راہ سے خواہ کوئی کچھہ ہی کیوں نہ کہے لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایسی خواہش انسان کی طبیعت میں طبعاً پائی جاتی ہے -

اگر کوئی شخص اس طبعی خواہش کو ایک نفس امارہ سمجھہ کر ریاضتوں اور مجاہدوں سے معدوم کر دے تو یہہ دوسری بات ہے کیونکہ ایک طاقت کا وجود میں پایا جانا اور ضرورت کے اوسکا معدوم کر دینا یا نہ ظاہر کرنا ایک دوسری حالت اور اگر ہم امعان نظر سے دیکھیں تو یہہ طبعی خواہش بُری بھی نہیں بلکہ اسکا انسانی اجسام میں پایا جانا دُنیا کے انتظام کے واسطے سخت لازمی اور ضروری تھا - دُنیا اور انسانی جماعتوں کی ترقی اور بہبودی اسی میں ہے کہ ہر ایک فرد انسانی میں یہہ خواہش اور یہہ آرزو پائی جائے -

ہمیں یا خلق اور شرف تکلم اور تعقل او راک صرف اسی غرض سے قدرت نے بخشا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو اپنی جانب بلائیں اور ایکدوسرے کی دعوت کریں خیالات اور فوائد شیرینہ کا سب سے پہلا کام یہی ہے کہ ایک دوسرے کو اپنی اپنی جانب کرنے کی کوشش کریں -

اگر انسان میں یہ خواہش اور یہ جذب نہ ہوتا تو اُس کو حیوانات اور دوسرے دو موالید پر کوئی فوقیت اور برتری نہ تھی بالخصوص نفسِ ناطقہ کا فیضان خاص اسی غرض اور اسی فایدہ کے واسطے ہے کہ ہم ایکدوسرے سے اپنے اپنے خیالات کا اظہار اور اس بات کی سعی کریں کہ ہم سب کے سب ایک راہ پر آجائیں - گو یہ امر قریب قریب ناممکن کے ہے کہ سب مخلوق ایک ہی پٹڑی پر آجائے مگر ہمنے جو یہ کہا ہے کہ سب کو ایک راہ پر کرنے یا لانے کی کوشش کرنی چاہئے اُس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک خیال اور ہر ایک خواہش میں انسانی جماعتوں کو توحد اور یکسانیت حاصل ہو جائے کیونکہ ایسا ہونا یا ایسے ہونے کی خواہش کرنا قدرت سے ایک ناممکن امر کو مانگنا ہے ایک راہ پر آنے سے مطلب ہمارا یہ ہے کہ اختلاف جزیات اور اختلاف خیالات سے رشتہ انسانیت اور آدمیت کو نہ توڑا جائے اگرچہ وہ اختلاف خیال قایم ہی رہے باوجود اس کے کہ کسی صورت اور کسی حالت میں انسانی جماعتیں خیالات کے ذریعہ سے ایک جماعت یا ایک انسان نہیں بن سکتیں اور نہ وہ ایک ہی قسم کے خیالات کی ایکدفعہ پیروی کرسکتی ہیں مگر پھر بھی ایک ہی نوعِ انسان ہیں -

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہر ایک نوع کو کس اعتبار اور کس لحاظ سے ایک نوع کہا جاتا ہے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ہر ایک شاخ خلقت کو صرف بحیثیت ایک جُدا نوع کے نوع کہا جاتا ہے ورنہ کوئی اور خصوصیات اور امتیازات نہیں ہوتے دنیا کی جس مخلوق یا جس شاخ میں نفسِ ناطقہ اور ضحک بالطبع اور ایک خاص ڈھانچ کیصورت ونقشہ بلالحاظ امتیازات جزویہ پایا جاویگا وہی مخلوق یا وہی شاخ نوع انسان کہی جاوےگی اگرچہ اُس کی جزئیات اور دیگر خصوصیات میں کیسا ہی فرق اور تمیز ہو - جب کبھی یہ بحث ہوگی کہ یہ مخلوق کس نوع میں داخل یا شامل ہے تو سب تفرقوں اور جزوی امتیازات کو چھوڑ کر فوراً جواب دیا جائے گا کہ فلاں نوع مثلاً نوعِ انسان میں -

اس سے معلوم اور ثابت ہوا کہ جزوی تغیر تبدیل اور اختلافات نوعیت میں فرق
نہیں لاتے اگرچہ کسیقدر ہی امتیازات اور تغیرات ضمنی یا اندرونی ہوں مگر نوع وہی ہوتی
ہے - ایک انسان دوسرے انسان سے صورت شباہت اور نقوشِ ظاہری میں گو
مختلف ہوتا ہے اور ایک نقشہ دوسرے نقشہ سے نہیں ملتا مگر پھر بھی سب کو نوعِ
انسان کے نیچے ہی رکھا جاتا ہے - اگر ہم ایک خاندان کے آدمیوں اور اجزاء کو بھی نسبتاً
دیکھیں تو پتہ لگ جائے گا کہ ایک ہی صورت یا ایک ہی باپ کی اولاد بھی آپس میں ظاہری
نقوش اور امتیازات کے اعتبار سے کسقدر اختلاف رکھتی ہے گو مولود کو والد اور والدہ
سے ایک ہی نسبت یا رشتہ نسلاً حاصل ہوتا ہے مگر پھر بھی اُنمیں جو تفریق اور امتیاز
پایا جاتا ہے وہ صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے
ساتھ بہت سی باتوں اور خصوصیات میں امتیاز اور اختلاف رکھتا ہے دو بچے توام ہی
کیوں نہ پیدا ہوں مگر پھر بھی اُنمیں صورت اور نقوش کے لحاظ سے فرق ہی پایا جائیگا -
اگرچہ اور انواع مخلوق میں بھی یہ تفریق پائی جاتی ہے اور ہر ایک فرد دوسرے فرد
سے ممتاز ہے مگر جس وضاحت اور صراحت سے انسانی جماعتوں میں اس تفریق اور
امتیاز کو دخل ہے - دوسری انواع میں اس شدومد سے نہیں - جانور اور پرند عموماً بولی
اور آواز سے اپنے مخصوص فرد کو محسوس نہیں کرتے - اگر ایک قسم کا ایک جانور یا پرند بولی
آواز کے بعد ہی پرواز کر جائے اور دوسرا فرد اُسی قسم سے بولے تو یہ تمیز نہیں ہو سکے
گی کہ پہلے اور اسکی بولی یا آواز میں کیا فرق تھا بعض ایسی قسم کے پرندے ہیں کہ اُن کے
ظاہری نقوش اور صورت میں بھی کوئی تمیز نہیں ہو سکتی ایک ہی قسم کی چڑیاں اور
پرند ایسے متحد الصورت اور وحدت الصورت والوان ہوتے ہیں کہ اُن میں ناظرین
ہرگز تمیز نہیں کر سکتے - شاید اُنمیں کوئی ایسی تمیز ہو کہ جسے وہ جانور یا پرند ہی خود
محسوس کر سکتے ہوں انسان کو تو اکثر اوقات اُنکا علم مشکل ہو جاتا ہے اور وہ خود سے بھی

اُن میں تمیز اور فرق نہیں کر سکتا - ہم یہ مان لیں گے کہ ہر ایک نوع کے افراد میں ضرور
تمیز اور فرق ہے اور وہ ایکدوسرے سے ممتاز ہیں لیکن یہہ ضرور کہیں گے کہ بعض
افراد پرند اور جانوروں کے سخت ہی متحد الصورت و الصوت ہیں انہیں سرسری نگاہ سے
فرق اور تمیز نہیں ہو سکتی - اور بالخصوص صورت کے لحاظ سے تو اکثر حیوانات کی قسمیں
اور افراد غیر ممتاز ہیں انسان بلحاظ آواز یا صورت کے اُنہیں تمیز اور فرق نہیں کر سکتا
خلاف اِن اقسام اور اِن افراد کے انسان سوائے نوعیت کے اور ہر ایک امر اور
ہر ایک خصوصیت میں ایکدوسرے سے ممتاز اور جُدا واقعہ ہوا ہے - اشکال اور نقوش
کُلیتاً کسیصورت میں بھی متحد اور یکساں نہیں ہوتی - اور آوازوں اور صورت میں بھی
بیّن فرق ہوتا ہے - اگرچہ آنکھوں سے پرے ہی چند انسان غیبت میں تکلم کریں
لیکن پھر بھی وہ اپنے تکلم سے جُدا جُدا خیال کئے جا سکتے ہیں اُنکا تکلم ہی صاف طور
پر سامعین کو جتلاتا ہے کہ وہ ایک نہیں ہیں -
اگرچہ ایک جماعت میں لاکھ آدمی ہی کیوں نہ شامل ہوں مگر پھر بھی اُن میں عمدہ طور
پر تمیز ہو سکتی ہے - جُدا جُدا نام گو ایکدوسرے آپسمیں تمیز کرتے ہیں لیکن دراصل جُدا
جُدا نقوش اور امتیازات ہی اصلی اور حقیقی تفریق اور امتیاز کا موجب ہیں جُدا جُدا نام
صرف ایک عارضی تفریق ہے - اگر اصلی تفریق نہوتی تو شاید بہت ہی مشکل پڑتی - اُس
صورت میں باپ بیٹے کو اور بھائی بھائی کو کسیصورت میں بھی تمیز اور شناخت نہ کر سکتا -
عقل کا مادہ اور شعور اگرچہ انسان کو بہ نسبت اور مخلوقات کے زیادہ بخشا گیا ہے لیکن
ہم نہیں خیال کر سکتے کہ ان امتیازات کیصورت میں کیونکر اُنکی باہمی تفریق آسانی سے
قایم ہو سکتی - اور یہ عقل ہمیں کیا کام دیتی کیونکہ امتیاز بعض افراد جانوروں کے واسطے بھی
تو یہی عقل ہمارے پاس کامل ثابت نہیں ہوتی - اور پیدایشی سلسلہ میں ہم مقدار اور
حیثیت کے اعتبار سے بھی فرق اور تمیز کرتے ہیں - گویا اُنہیں ایک یا دو دو

باتیں امتیاز اور باہمی فرق کی ہوتی ہیں جنہیں ہم ہمیشہ ایک قاعدہ کے طور پر مدِ نظر
رکھ کر تفریق کرتے ہیں گویا ہمارے پاس اُنکے واسطے ایک مقررہ اصول تفریق کا ہوتا
ہے۔ انسان کیواسطے یہ اصول مقررہ نہیں ہے انسان کامل طور پر اپنی ذات میں ہی
ممتاز واقعہ ہوا ہے۔ انسان کا ہر ایک فرد پیدایش سے ہی اپنے ساتھ امتیازی اور
تفریقی نشانات لایا ہے اور وہ تادمِ مرگ اُس کے ساتھ شامل رہیں گے۔

اگر ہم غور کریں گے تو ہمیں معلوم اور ثابت ہو جائیگا کہ کامل شخصیت یا حقیقی تشخص صرف
انسان کی ذات میں ہی پایا جاتا ہے۔ اور سب انواع یا اقسام میں ناکامل یا فرضی تشخص
اصولاً خیال کیا گیا ہے اور اجناس کے افراد کو ہم خاص طور پر اشارہ اور کنایہ سے تشخص
کریں گے اور اُس تشخص کے ساتھ ہمیں اور چند قیاسی رموز کا بیان کرنا بھی ضروری ہوگا
لیکن انسانی تشخص کے واسطے صرف اُنہیں امتیازات کا بیان کر دینا کافی ہے کہ
جو قدرتاً فرداً فرداً ہر ایک فرد انسان کو خلقتاً دیئے گئے — اور جنہیں وہ گویا اپنی پیدایش
کیساتھ ہی اس دنیا میں لایا ہے۔

اگر انسان کے ان اختلافات اور امتیازات طبعی یا خلیقی پر امعانِ نظر سے دیکھا جائے
تو ہمیں قدرت اور صانع کی ایسی ایسی نادر اور عجائب حکمتیں معلوم ہونگی کہ انسان کو ماننا پڑیگا
کہ خود قدرت نے ہی ہماری ضروریات کو ہماری پیدایش سے اوّل ہی وضع کر رکھا ہے۔
ہمارے تشخصات کا بہ نسبت اور مخلوقات کے کامل اور اتم قرار پانا علاوہ از نطق اور ادراک
و عقل کے دیگر کائنات پر شرف اور فضل کی ایک بڑی بھاری دلیل ہے اگرچہ ہمارا ناطق
اور مدرک اور عقیل ہونا دیگر سلسلوں کے مقابلہ میں ہمارے شرف اور فضل کی ایک مسلمہ دلیل
اور برہان ہے لیکن ہمارا کامل تشخص بھی مبین اور قاطع برہان اور کامل حجت ہے۔ اگر
اُس ادراک اور عقل اور قوت ناطقہ کیساتھ یہ کمال نہ ہوتا تو واقعی ہمارے شرف اور فضیلت میں
ایک کامل نقص باقی رہجاتا جسکی اصلاح سوائے قدرت کی دست اندازی کے ہمیشہ ہونا مشکل

اور دشوار تھی۔ دوسری مخلوق کو جو کامل تشخص نہیں دیا گیا اُسکی یہہ وجہ پائی جاتی ہے۔
کہ اُنکی لائیف یا زندگی ایسی امتیاز اور خصوصیت سے نہیں گذرتی کہ جیسے انسانی لائیف
گذرتی ہے۔ اگر دیگر سلسلوں کی مانند انسانوں میں بھی یہہ کامل تشخص نہوتا تو اُنمیں تفریق اور
فساد کی ایسی سخت بُنیادیں قایم ہوتیں کہ اُنکی اصلاح اور درستی کرنا خود انسانوں پر ہی ناممکن
ہوجاتا اگر ایک انسان دوسرے انسان سے خصوصیات میں ممتاز نہوتا یا ایک کو
دوسرے سے ہم مخصوصہ قدرتی علامات سے تمیز اور فرق نہ کرسکتے تو ایک ہی خاندان
میں روز کے جھگڑے اور فساد ایسے برپا ہوتے کہ اُنکا دفعیہ اور تصفیہ مشکل ثابت ہوکر
ایک وبالِ جان بن جاتا۔ اور علیٰ ہٰذالقیاس تمام دُنیا میں عدم امتیاز کی وجہ سے ایک طوفان
آجاتا۔ دُنیا کا امن اور آسایش جو انسانی خصوصیات اور کامل تشخصات کی کامل بُنیاد پر
قایم ہے وہ ایک ہی دم میں کافور اور دور ہوجاتی اور انسانی جماعتوں کو سوائے خون خرابہ
اور کشت خون اور بدظنی مسلسل کے اور کچھہ بھی حاصل نہوتا۔ زید اسیصورت میں زید ہے کہ
جب وہ اپنی خصوصیات اور خاص قدرتی امتیازات کے لحاظ سے خاص اور شناخت
کیا گیا ہے اگر زید کو اِن خاص رموز اور امور سے شناخت اور خاص نہ کیا جاتا تو زید
زید ہی نہ رہتا بلکہ بکر اور عمر بھی بنجاتا۔ باپ۔ بیٹے۔ بھائی۔ بھائی۔ دوست۔ دوست
میں اُسیصورت میں امتیاز اور فرق ہے کہ جب خاص امتیازات اور قدرتی خصوصیات
ذاتی سے مخصوص اور ممتاز ہیں اگر ان سے ممتاز نہ ہوتے تو کوئی ایسی سبیل نہ تھی کہ ہم
اُنمیں بلحاظ تشخصات کے تمیز کرسکتے۔ نیک اور بد مجرم اور غیر مجرم ملوث اور غیر ملوث میں
انہیں امتیازات کی جہت سے فرق کیا جاتا ہے۔ اگر یہہ فرق قدرتی طور پر مخصوص نہ ہوتے
تو دُنیا کا انتظام چلنا سخت دشوار تھا۔ دوسری مخلوق اور کائینات میں اِن خصوصیات
اور تشخصات کا رکھنا ضروری نہ تھا۔ کیونکہ وہ امور اور وہ ضروریات جو انسان کو اپنی زندگی
میں پیش آکرتے ہیں اُنکو نہیں آتے نسب اور حسب اور امتیاز نسبتوں اور رشتوں

اور تعلقات کا سلسلہ اور لحاظ صرف انسانوں میں ہی کامل طور پر پایا جاتا ہے دوسری کائینات میں اوّل تو سلسلہ ایسا موجود اور مرعی نہیں اور اگر کہیں ہے بھی تو اُس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے تولید اور نسبتوں کے لحاظ سے جو ضرورتیں اور قیدیں انسانوں میں پائی جاتی ہیں وہ اُنمیں نہیں ہیں۔

انسانوں میں ان رشتوں اور ان نسبتوں اور تعلقات کو خواہ وہ سلسلہ تولید اور تناسل کے اعتبار پر ہوں اور خواہ وہ دوسرے مرعی سلسلوں اور نسبتوں کے لحاظ سے کامل طور پر ملحوظ رکھا جاتا ہے اور دوسری کائینات میں اوّل تو انکا کوئی لحاظ اور خیال ہی نہیں اور سا اگر ہے بھی تو شاذ و نادر اور بہت کمزوری کیساتھ یہی وجہ ہے کہ انہیں عقل اور کامل تمیز نہیں دیگئی اُنکو صرف اُسیقدر شعور اور ناقص سے تمیز دیگئی ہے کہ جو اُنکی ضروریات زندگی کے واسطے کافی تھی اُنہیں وہ اعلےٰ درجہ کی تمیز[1] اور شعور نہیں رکھا گیا کہ وہ انسانوں کو حاصل ہے انسان نے اپنی جماعت میں ضروری۔ غیر ضروری۔ جائز۔ ناجائز۔ لازم۔ غیر لازم حلال۔ حرام وغیرہ کی جو صورتیں اور قیدیں مرعی رکھی ہیں وہ شرائط یا قیود دوسری کائینات اور موالید میں نہیں ہیں اور نہ اُنکو اُنکی کوئی ضرورت ہے۔ اُنکی زندگی اور لائیف اُنہیں بُنیادوں اور اُسی تراش خراش اور رسومی حالت میں گذرتی ہے کہ جو قدرت نے اُن کے واسطے مقرر اور قطع کر رکھی ہے۔ انسان نے سلسلہ تولید اور ظہور میں آکر ہزاروں قسم کے تصرفات اور قطع و برید کو تراشا اور قایم کیا ہے لیکن دوسرے سلسلونکی بدو پیدایش سے

---

[1] اگرچہ ان پرندوں۔ جانوروں۔ اور دیگر مخلوقات الٰہی میں باہمی سمجھ تمیز کے لئے کوئی نشانات اور مارک مخصوص ہماراوہ آپس میں ایکدوسرے کے ساتھ اُن خاص مارکوں اور نشانات سے تمیز کرتے ہوں مگر انسان اُن نشانات اور خصوصیات سے بالکلیتہً ماہر نہیں ہے وہ اُنہیں آسانی اور عمدگی کے ساتھ تمیز اور فرق نہیں کر سکتا اور نہ کچھ اُس امتیاز کامل کی کوئی ضرورت ہے۔ کیونکہ انسان اس کا محتاج نہیں ۱۲

ایک ہی صورت اور ایک ہی ڈھانچ پر چلی آتی ہے۔ وہ اُس حالت اور اُس چوکھٹے میں مگن ہیں۔ جو انہیں ایکدفعہ قدرت نے پہنا دیا ہے۔ اُنہیں اُن قدرتی عطیات کے تبدیل کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی اور نہ اُنکی عدم تبدیلی سے اُنکی زندگی میں کوئی خرابی پیدا ہوتی ہے اور امتیازات نسبتی اور تہذیبی اور سوشیل جو انسانی جماعتوں میں مرعی ہیں وہ بھی اُنمیں نام کو نہیں نسبت تو در اصل صرف تولید تک ہی ہے پھر اُس کا نہ تو کوئی نشان باقی رہتا ہے اور نہ اُس کی کوئی ضرورت پڑتی ہے اُنکی سب ضرورتیں اور نسبتیں یکساں اور متوحد ہو جاتی ہیں وہ سب کے سب ایک ہی حالت میں بلا کسی خاص تغیر کے رہنا پسند کرتے ہیں اُنہیں یہہ تمیز ہی نہیں دیگئی کہ اُن نسبتی اور مشارکتی سلسلوں پر غور کریں کہ جو اُنکے بالمقابل انسانوں میں مرعی یا ملحوظ ہیں۔ اگر اُنمیں یہہ جوہر تمیز رکھا جاتا تو انسانوں کیطرح اُنکو بھی کامل تشخصات کی ڈگری حاصل ہوتی۔ چونکہ اُنمیں جوہر تمیز اور سادہ عقل ہی نہیں دیا گیا اسواسطے اُنمیں ان کامل تشخصات اور امتیازات کو نہیں رکھا گیا اور نہ اُسکی کوئی ضرورت سمجھی گئی ہے۔

انسان کو چونکہ عقل اور پورا شعور اور تمیز دیگئی ہے اسواسطے اُسکو تشخص بھی کامل بخشا گیا ہے مگر اس کامل تمیز اور کامل تشخص سے انسان کو فوائد[1] اور شرف بھی بہت سے حاصل ہوئے لیکن مشکلات کی بھی کوئی کمی نہیں رہی یہہ تو انسان کی ظاہری تشخصات اور امتیازات کا ذکر ہے اگر غور کیجائے تو جسے اُس کو ظاہری نقوش۔ صورت۔ الوان۔ السنہ اطوار اور رموز میں تفرق اور امتیاز باہمی حاصل ہے۔ ایسے ہی باطنی معاملات اور خیالات اور

[1] انسان کو شرف اور فضیلت تو اکثر مخلوقات پر ضرور حاصل ہوئی مگر ساتھ ہی پیچھے اس شرف اور فضیلت کے سبب اُس پر اُس کی زندگی بھی تلخ ہو گئی ہے۔ اگرچہ وہ شرف اور فضیلت کی دُھن میں خوش رہتا ہے مگر جو مصیبتوں اور سختیوں میں اُس کی گذرتی ہے وہی خوب جانتا ہے اُس کو یہہ تمیز نہیں دیگئی جو ایک باریک سمجھ دی گئی ہے جو اُسے ہمیشہ کھٹکتی رہتی ہے جس فراغت اور جس عیش و عشرت سے دوسری کائینات میں زندگی گذارتی ہیں وہ انسان کو کہاں

ادراک اور عقل و شعور میں بھی امتیاز اور اختلاف موجود ہے۔ جیسے ایک انسان صورت اور شکل میں ایکدوسرے انسان سے کلی مشابہت اور اتحاد نہیں رکھتا ایسے ہی خیالات اور ادراک اور طبایع میں بھی اُسے مشارکت اور مشابہت کلی حاصل نہیں ہے صورت اور شباہت وغیرہ ظاہری حالتوں میں تو چند ہی نقوش پا تو میں اختلاف اور امتیاز ہوتا ہے۔ طبیعت اور خیالات میں ہزاروں قسم کے اختلافات اور تبائین ہوتے ہیں۔ گو خیالات اور طبیعت میں توارد اور توحد بھی ہوتا ہے۔ مگر کُل خیالات اور طبیعت کے کُل جذبات اور خصوصیات میں کبھی بھی تشارکت اور تجانست نہیں ہوتی۔

جیسے ہر ایک انسان خلقتاً اور طبعاً صورت اور شکل جدا لاتا ہے ایسے ہی طبیعت اور خیالات بھی جُداگانہ ہی پاتا ہے۔ جیسے ایک باپ کی اولاد یا نسل شکل و صورت میں ایکدوسرے کیساتھ کُلی مشابہت اور مشارکت نہیں رکھتی ایسے ہی طبیعت اور خیالات میں بھی اتحاد اور تشارک حاصل نہیں ہوتا۔ اگرچہ لوگ ایک ہی گھر میں پرورش پاتے اور ایک ہی سکول میں تعلیم حاصل کرتے اور ایک ہی سرزمین میں بود و باش رکھتے اور ایک ہی آب و ہوا میں پھیلتے ہیں مگر پھر بھی اُنکے خیالات اور طبایع یکساں نہیں ہوتے۔ اگر طبیعتیں پھولکر دیکھو تو اُنمیں صدہا قسم کے اختلافات پائے جائینگے چند

بقیہ حاشیہ سے اصل انسان ہزاروں قسم کے خرخشوں اور ضروریات میں پھنسا ہوا ہے لیکن اور بھی یہ اس کے پیچھے لگی ہے کہ وہ اُسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتی اُسکو اپنی زندگی میں دم و فکر لاحق رہتے ہیں۔ دنیا اور عاقبت کا بکھیڑا اُسے گھُن کیطرح کھائے جاتا ہے۔ اگر صرف ایک ہی فکر اور تردد ہو تو وہ بھی کم نہیں ہے اگر ایک طرف وہ عقل اور شرف کے سبب خوش اور خورم ہے تو دوسری طرف افکار لاحقہ سے اُس کی جان پر بنی رہتی ہے اُس وقت وہ صاف کہہ اُٹھتا ہے۔ کہ مجھ سے ان جانوروں اور پرندوں کی زندگی اچھے سٹائل پر گذرتی ہے ۱۲

معاملات یا چند مسئلے ہی نہیں بلکہ صدہا معاملات اور ہزاروں صورتوں میں یہ اختلافات دخیل ہیں۔ اگر اصولاً ایک حقیقت کے ماننے میں اتفاق ہے تو جزءاً اسی میں صدہا اختلاف ہیں۔ یہ اختلاف عام طبیعتوں اور عام دماغوں میں ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک چھوٹے بڑے دماغ اور عام و خاص طبیعت میں پایا جاتا ہے اگر عام لوگوں اور جاہلوں کی پارٹی میں اختلاف ہے تو فلاسفروں میں اُس سے زیادہ اور بڑھ کر ہے۔ ہم دُنیا میں کسی ایسے گھر کا نشان نہیں دے سکتے کہ جو اس اختلاف سے خالی ہو اور نہ چند ایسی طبیعتیں دکھا سکتے ہیں کہ جن میں یہ صورت اختلاف نہ پائی جائے ہر ایک جگہ جاؤ اور ہر ایک جماعت میں پھر کر دیکھو اور پھر پوچھو کہ کیا کوئی ٹولہ یا کوئی جماعت بھی اس سے خالی ہے۔ اگر طبیعتیں کھول کر دیکھی جا سکیں تو ثابت ہو جاتا کہ قدرت نے انہیں کس قدر مختلف پُرزے رکھے ہیں۔ قدرت نے جیسے انسان کی شکل و شباہت ایکدوسرے سے مختلف بنائی ہے ایسے ہی ہر ایک دماغ اور ہر ایک دل ممتاز اور مختلف بنایا گیا ہے۔ گو ایک کارخانہ کی گھڑیاں یکساں ہوتی ہیں لیکن کارخانہ الہی کی طبعی گھڑیاں ایکدوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ایک طبعی دوسری طبعی گھڑی کے ساتھ اگر چند امور اور چند باتوں میں موافقت رکھتی ہے تو صدہا امور میں تفاوت بھی ہے مصنوعی گھڑیوں کا صناع یا کاریگر ہر ایک گھڑی کو یکساں بنانے کی کوشش کرتا ہے اور اسی میں اُسکی کاریگری اور حکمت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن ازلی صناع نے انسان کی طبعی گھڑیوں کو ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور متفاوت بنایا اور اس تفاوت میں ہی اُسکی اعلٰے اور لازوال حکمت کا اظہار اور جلال ہے اگر یہ طبعی گھڑیاں یکساں اور ایک ہی صورت اور ڈیلو ل کی بنائی جاتیں تو انسان کو جو یہ شرف اور فضیلت اور حکمت و عقل و ادراک کا دُنیا میں ڈیلوں حاصل ہوا ہے ہرگز نہ ہوتا اور نہ اس دُنیا میں اسقدر ترقی اور رونق ہوتی یہ اس اختلاف اور تبائین کا ہی طفیل ہے کہ دُنیا روز بروز ترقی پر ترقی کرتی جاتی ہے۔

اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ دُنیا میں انسانی جماعتوں نے اسقدر ترقی اور عروج کیونکر حاصل کیا اور دن بدن اُنکو کیوں ترقی ہوتی جاتی ہے۔
تو ہم اسکا جواب دیں گے کہ انسان کی تمام ترقیات اور عروج کا موجب اور باعث طبیعتونکا اختلاف ہی ہے۔ اگر انسان کی طبیعتیں آپسمیں مختلف اور متضاد بین نہ ہوتیں تو اسقدر ترقی اور عروج اُنکو کسیطرح بھی حاصل نہوتا۔ یہہ صورت اختلاف طبائع ہی ہے کہ انسان کو ترقی اور عروج کے بلند چٹانوں پر لئے جاتی ہے ہر ایک طبیعت اور ہر ایک دل اپنے دھن میں صعود کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک طبیعت دوسری طبیعت کو پس پا کرنے کی کوشش کررہی ہے۔ ایک طبیعت چاہتی ہے کہ جو خیال اور جو ادراک دوسری طبیعت میں پیدا ہوا ہے یا تو میں اُس کو اَور ترقی دوں اور یا اُسکے خلاف کوئی اَور صورت نکالوں اگر ایک اشہب طبعی ہزار کوس تک دوڑ کرتا ہے تو دوسرا اُس سے دوگنا یا چوگنا جانے کی سعی میں ہے اگر ایک طبیعت مغرب کو جارہی ہے تو دوسری مشرق کو اپنا تختہ مشق بنارہی ہے۔ اگر ایک طبیعت زمین اور پاتال میں جانے کی دھن میں ہے تو دوسری آسمان پر چڑھنے کو تیار ہے۔ اگر ایک دل ایک غرض اور مدعا کے واسطے لڑنے پر مستعد ہے تو دوسرا جان دینے کو موجود ہے۔ اگر ایک طبیعت سُستی سے چل رہی ہے تو دوسری پوری تیزی اور چالاکی کو کام میں لارہی ہے۔ اگر تم طبعی گھوڑ دوڑ میں جاؤگے تو تمہیں صاف طور پر معلوم اور ثابت ہوجائے گا کہ اس میدان میں طبعی گھوڑوں کا رُخ اور میلان ایک جانب نہیں کوئی کسی طرف دوڑ رہا ہے اور کوئی کسی طرف۔ شاید ناظرین کو وہم ہوگا کہ اسقدر بے ترتیبی انہیں کیوں ہے اور وہ اس پر معترض ہونگے۔ مگر ہم اُنہیں جتلائے دیتے ہیں کہ اس میں کوئی نقص اور کوئی بے ترتیبی نہیں جو کچھہ ہورہا ہے عین صحت اور عین ترتیب سے ہو رہا ہے اسلئے میں قدرت نے انسانی جماعتوں کی بہبود اور بہتری کو ملحوظ رکھا ہے ۔

ضرورت اختلافِ طبائع

اگر ہم کارخانہ دنیا کو امعانِ نظر اور غور کی نگاہ سے دیکھیں تو ثابت ہوگا کہ اس عجیب کارخانہ کی ترتیب اور صورت یکساں نہیں واقعہ ہوئی۔ اگر مخلوق کے افراد اور اجزا انواع اقسام کے ہیں اور اگر انہیں بوقلموں طرحیں اور طرز پائے جاتے ہیں تو ان کے سامان اور وسایل بھی ہزاروں قسموں پر منقسم ہیں۔ ان کی ضروریات اور احتیاج زندگی کی ایک ہی قسم نہیں ہے بلکہ سینکڑوں قسمیں اور ہزاروں طرحیں ہیں۔ اگر ایک ہی قسم کی ضرورت اور احتیاج ہوتی تو دنیا کا ٹھاٹھ چلنا بہت ہی مشکل ہو جاتا۔

ملکوں اور جزیروں کی آب و ہوائیں آپس میں ایسی مختلف ہیں کہ گویا زمین اور آسمان کا فرق جا پڑتا ہے۔ انہیں اختلافات کے بموجب ضرورتوں اور حاجات کا اختلاف ہے ایک خطہ اور ایک ملک کی ضرورتیں اور ملزومات دوسرے خطہ یا دوسرے ملک سے کسیصورت میں ٹکر نہیں کھاتے۔ کسی نے یہ بہت ہی اچھا کہا ہے۔ "ہر ملکے و ہر رسمے"۔

دنیا یا انسانوں میں جسقدر ضرورتیں اور ان کے وسایل یا سامان پائے جاتے ہیں۔ انکی صورتیں اور اسباب بھی جدا جدا ہیں۔ گو ضرورتیں ایک ہی جماعت یعنی انسان کے واسطے ہیں اور موجد بھی انہیں انسان ہی کرتا ہے مگر انکی حقیقت اور اسباب منبع ایکدوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ جیسے ایک ضرورت دوسری ضرورت سے نہیں ملتی ایسے ہی اس کے اسباب بھی یکساں نہیں ہوتے یہ ضرورتیں اور انکے وسایل جن صورتوں اور جن راہوں سے پیدا اور حل ہوتے ہیں وہ بھی متحد

اور یکساں نہیں ہیں انمیں بھی سینکڑوں اختلاف اور بعد میں ایک کو دوسرے سے کوئی نسبت اور تعلق نہیں اور اگر کبھی کوئی نسبت ہوتی بھی ہے تو ایسی بعید کہ انکو یکساں اور متحد نہیں کہا جا سکتا۔ اُن وسایل اور ذرایع کے حاصل کرنے کے جو آلات اور جو شوارع ہیں اُنمیں بھی اختلاف ہے وہ بھی ایکدوسرے سے الگ اور جُدا جُدا ہیں۔ جب ہماری زندگانی کے وسایل اور ضروریات اور اُن ضروریات کے آلات اور ذرایع الگ اور جُدا جُدا ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اُن تمام ذرایع یا وسایل کو ایک ہی انسان یا ایک ہی طاقت کامل طور پر بہ حیثیت واحد حاصل نہیں کر سکتی اور نہ ایک ہی طاقت اور ایک ہی طبیعت ان تمام امور اور ضروریات پر حاوی ہو سکتی ہے۔ مثال کے واسطے اگر ہم دُنیا کی ایک ادنےٰ ضرورت کو بھی لیکر دیکھیں گے تو ہمیں پتہ ملجائیگا کہ اُس ادنےٰ ضرورت کیواسطے بھی کسقدر طاقتوں یا طبیعتوں کے اجتماع اور اشتراک کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک چاقو بنانے کے واسطے کارخانوں میں ۲۷ آدمیوں کی ضرورت ہے یعنی چاقو اُس وقت تیار ہوتا ہے کہ جب بہتّر آدمی ایک چاقو بننے تک کام کر چکتے ہیں۔ دیکھئے اس چھوٹی سی ضرورت کے واسطے بہتّر طاقتوں کی ضرورت ہوئی۔ اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اور ضروریات کے واسطے کسقدر طاقتوں اور اشتراکِ عظیم کی ضرورت اور حاجت ہوگی۔ دُنیا کی ضرورتوں میں سے کوئی ضرورت لیلو جب تک بیسیوں طاقتیں جمع اور شریک نہ ہونگی تب تک اُسکا وجود مفید نہیں کہا جا سکتا۔

ان طاقتوں سے جسقدر کام لیا جاتا ہے اور جسقدر انکی شرکت ہوتی ہے وہ سب مُختلف ہے کیونکہ اگر اُس میں اتفاق اور یک سوئی ہو تو ایک تیسری شے یا وجود کے تیار ہونے اور کام دینے کی کوئی اُمید نہیں کیجا سکتی۔ جسطرح ایک لوہار کی بھٹی میں کوئلہ۔ اور آوزار اور آگ۔ اور تسیم جُدا جُدا کام دیتے ہیں اسیطرح پر ہر ایک ضرورت کے رفع کے واسطے تمام

انسانی طاقتیں جُدا جُدا کام دیتی ہیں - اگر لوہار کی بھٹی میں کوئلہ آگ - اوزار اور
سٹیم جُدا جُدا نہ کام دیویں ایک ہی طرز سے انکا اجتماع اور شرکت ہو تو کیا ممکن ہے
کہ کوئی چیز یا شے یا ساخت تیار ہو سکے اور اُسکو انسان کامل طور پر اپنے کام میں لا سکے
بھٹی جُدا کام دیتی ہے اور سٹیم و آگ جُدا - اوزار الگ خدمت پر مامور ہوتے ہیں -
آگ اور سٹیم کا کام اور خدمت یکساں نہیں اور نہ اُنہیں اوزاروں کی خدمت سے کوئی
سروکار ہے - اگر سٹیم بھی وہی خدمت ادا کرے جو لوہار کا ہاتھ یا اوزار کرتا ہے تو کیا تم
یقین کر سکتے ہو کہ تلوار تیار ہو کر جنگ آوروں کے کام آئے گی - روٹی پکانے کا ایک
مختصر سا اور عام کارخانہ ہے - کیا اسمیں ایک ہی ہاتھ ایک ہی طریقہ سے کام کرتا ہے ہرگز
نہیں - ہر ایک ہاتھ جُدا جُدا طور پر جُدا جُدا کام کر رہا ہے - ایک کو دوسرے سے صرف
ایک طاقت یا کام کی نسبت ہے ورنہ ذات اور استعداد میں پورا اختلاف ہے - آٹا پانی
کا کام نہیں دے سکتا - اور پانی آگ کے ساتھ خدمت میں شریک نہیں ہو سکتا -
نان پز کا ہاتھ جو کام کر رہا ہے وہ سب سے الگ ہے - اگر ان استعدادوں میں اختلاف اور
فرق نہ ہو تو کھانے کے واسطے انسان کو روٹی مل سکتی ہے - ہرگز نہیں - تحریر میں جسقدر
طاقتیں کام کرتی ہیں کیا اُنکا کام اور وجود ایک ہی نہیں وہ سب آپس میں مختلف
ہیں - کاغذ اور سیاہی ایک جُدا جُدا طاقتیں ہیں - قلم اور ہاتھ الگ الگ ہیں اور انسب پر
دل کی قوت سب سے نرالی ہے اسقدر وجود مختلف صورت سے کام کرتے ہیں تب
جا کر کہیں تحریر ہوتی ہے -

ریاضی دان کے واسطے صرف ہندسونکا جمع کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اُنپر عمل کرنا بھی
ضروری ہے - غرض جن کاموں اور جن عملوں کو دیکھو گے اُن سب میں مختلف طاقتیں
اور مختلف ہاتھ دیکھے جائیں گے کبھی ایک طاقت اور ایک قوت ان کارخانوں میں
کام نہیں دے سکتی -

اس سے معلوم اور ثابت ہوا کہ مختلف صورتوں کی ضرورت ہے۔ اب ہم کہیں گے کہ اگر انسان کی طبیعتیں اور قیاسات کی ایک ہی صورت اور ایک ہی جانب میل اور رجحان ہوتا تو یہ ضروریات اور مایحتاج کیونکر حاصل اور کامل ہوسکتی تھیں۔ کیونکہ جب طبیعتوں کا میل یکسو ہوتا تو وہ ایک ہی طرف اور ایک ہی ضرورت کی طرف میل کرتیں اسصورت میں اور تمام ضرورتیں اور صورتیں کس مپرسی کیحالت میں رہ جاتیں۔ اور نظام عالم ایک ایسی بدبخت حالت میں جا پڑتا کہ انسان کو ہمیں چند روزہ زندگی بسر کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال دکھائی دیتا۔ اس نقص کے دور کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعتوں کو آپس میں مختلف بنایا ہے اور ہر ایک طبیعت کو ایک جدا گانہ چاؤ اور مذاق بخشا ہے ہر ایک طبیعت اس مذاق اور چاؤ جدا گانہ کے باعث مختلف سویہ جانب میل اور رجوع کرتی ہے۔ اور اس رجوع اور میل سے مختلف نتیجے اور عمدگیاں پیدا کر کے دنیا اور دنیا والوں کو فائدے پہونچاتی ہے۔ اگر یہ جدا گانہ اور مخالفانہ میل اور رجوع خلقت انسان میں نہ ہوتا تو اس وقت جسقدر عمدگیاں اور ترقیاں دنیا کے بازار و میں پائی جاتی ہیں انکا نام و نشان بھی نہوتا یا تو سب کے سب گدڑی پوش ہوتے اور یا امیر۔ اور فقیر یا لوہار اور یا سنار یا حکیم اور یا جاہل۔ یہ رنگ رنگ کے موتی اور بوقلموں ہیرے اور یا قوت ان بازاروں میں کس کا صدقہ دکھائی دے رہے ہیں۔ انہیں اختلافات اور امتیازات کا صدقہ ہیں اگر جو قدرتاً انسان کی طبیعتوں میں موجود اور موجود ہیں تو مد طبائع کیصورت میں ایک ہی غرض مشترک تمام کی ہوتی اور جب سب کی غرض مشترک ہوتی تو اس صورت میں انکا محور بھی ایک ہی ہوتا اور جب سب کا محور ایک اور متوحد ہوتا تو تمام پرزے اسی کے گرد اگر چکر کھاتے پس سمجھ لو کہ اس حالت میں اس دنیا کی ترقی اور عروج وہی محور یا چکر کا دائرہ تھا۔ ہر ایک طبیعت دورہ کر کر کے اسی محور پر آ ٹھہرتی۔ اور وہ محور ایک محدود دائرہ میں ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ جب طبیعتیں متحد الحالت فی الخواص تھیں تو محور کا محدود اور

محصور ہونا بدرجہ اولے لازم ہے۔ جب محور محدود ہوتا تو اُس کے سوائے اور جسقدر
عمدگیاں اور کوایف نیچر کی تھیں وہ سب نالویہ گمنامی میں دبی کی دبی رہ جاتیں اور اس
حالت میں نیچر کے اُس اصول عامہ پر کہ ان سب کوایف اور حالات سے مخلوق کے اعلےٰ
جزو انسان کو فایدہ پہونچانے کی علت ہے ایک سخت اعتراض وارد ہوتا ایک تو سامان
اسقدر مہیا کردیا گیا کہ ساری دُنیا کی فرداً فرداً طبیعتیں وہ بوجھ اور وہ بار اُٹھانے کو نا کافی
تھیں اور ایک طرف اُن قدرتی کلوں یعنے انسانی طبایع کو ایک ایسے دایرہ تنگ میں
محدود کردیا گیا کہ وہ سوائے ایک محدود محور پر پھیرنے اور چکر کھانے کے اَور کسی مصرف
کی ہی نہ رہتیں۔ جسطرح پر تمام دیگر حیوانات اور کائینات کی طبیعتیں ایک محور پر تمام عمر
گھوم گھام کر ختم اور بس ہو جاتی ہیں اسیطرح انکا خاتمہ ہو جاتا۔ ہر ایک طبیعت کو وہی راہ
اور وہی چکر پیش آتا کہ جو دوسری طبیعتوں کو آیا تھا۔ اُنکی واضح مثال ایسی ہی ہوتی کہ جیسے
بھیڑوں کی قطار ایک ہی جانب کو رُخ کرکے چلتی ہے ایک ہی حالت اور ایک ہی متحد محور پر
پر گھومنا کبھی ترقی کا باعث نہیں ہو سکتا۔ آفتاب کا جرم اگرچہ بہت ہی بڑا اور وسیع الحالت
ہے مگر چونکہ اُس نے ایک ہی طبیعت پائی ہے اور وہ شروع سے لیکر اب تک ایک ہی
محور پر قایم ہے اسواسطے اُسمیں کوئی نئی بات اور جدت نہیں پیدا ہوتی اور نہ وہ اپنے
محور پر قایم رہ کر کوئی اور ترقی کر سکتا ہے۔ زمین نے ایک ہی قسم کی حرکت پائی ہے۔
اس لئے وہ بدو دُنیا سے اُسی ایک اصول اور طرز پر ایک ہی طبیعت سے حرکت کر رہی ہے
ابتک نہ تو اُس میں کمی ہوئی ہے اور نہ بیشی۔ سینکڑوں مثالیں اور صدہا نمونے گنتے
جاؤ یہ ماننا پڑیگا کہ جن اجسام اور جن وجودوں نے ایک ہی طبیعت اور ایک ہی خاصہ پایا
ہے اُنکی حالت ہمیشہ یکساں رہی ہے اُنہیں سوائے اُس موجودہ ترقی اور موجودہ عروج
کے اَور کوئی صورت ترقی کی پیدا نہیں ہوئی۔

اگر انسان کی طبیعتوں کو بھی ایک ہی خاصہ اور ایک ہی محور پر پیدا کیا جاتا تو کیا یہہ

اُمید کیجا سکتی تھی کہ اُنکی حالت میں اسقدر رونقیں اور ترقیات اور عروج پیدا ہوتا۔ اگر اسکا یقین نہ ہو تو تم اپنے ہمسایہ حیوانات کی حالت محدود کا موازنہ اور احصار کر سکتے ہو۔ اُنکے حالات کے موازنہ سے تمہیں پتہ لگجائے گا کہ محدود الحالت طبایع وجود کہانتک بلند پروازی اور ترقی کر سکتے ہیں۔

حیوانات اور انسان خطوط متوازی کی طرح ہر ایک مُلک میں اکٹھے ہی چلتے رہے ہیں دونوں کے تاریخی حالات کو خود سے پڑھو اور نشان لگا لگا کر دیکھو کہ اس عرصۂ دراز میں انسانی جماعتوں اور گروہوں نے کیا کچھ زمانہ میں کایا پلٹ اور ترقی کی اور ان حیوانات نے کیا رُتبہ پایا۔ اگر تمہیں تاریخوں کے صفحات پر یقین اور وثوق ہو گا تو تم صاف طور پر کہہ اٹھو گے کہ حیوانات گویا روز پیدایش اور مدوِ دُنیا سے اُس چولہ میں مگن ہیں اور انسان نے اپنی حالت میں کروڑوں اور بیہودوں تبدیلیاں کی ہیں۔ ان تبدیلیوں اور تغیرآت کا سوائے اس کے اور کیا موجب ہے کہ انسانی طبایع اور خواص اور مذاق میں مختلف واقعہ ہوئے ہیں ہر ایک نے اپنے مذاق کے موافق دُنیا میں ترقی اور تبدیلی کی ہے اگر ان کی طبیعتیں اور خاصے بھی حیوانوں کی طرح ایک ہی محور پر گھوما کرتے تو انہیں بھی یہ قابلِ رشک گرم بازاری نہ ہوتی۔

یہ کہا جائے گا کہ چونکہ دوسرے حیوانات کو انسان کے مُقابلہ میں ضروریات پیش نہیں آتیں اسواسطے اُنمیں مختلف تغیرآت اور کایا پلٹ اور ترقیات نہیں ہوئیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حیوانات میں ضروریات کا بہت جھگڑا اور ٹنٹا نہیں ہے مگر آخر اُن کو خورد و نوش کی ضرورت تو ہے ہی اور یہ بھی کہ رہایش اور رہنے کے واسطے اور اُن کو رَکن اور جھگونکی حاجت پڑتی ہے ہم پوچھتے ہیں کہ ان ضرورتوں میں بھی اُنہوں نے کوئی قطع برید کی کیا نہیں بھی کوئی ترقی اور پیشی دکھائی ہے۔ یہی جواب ملیگا کہ اسی پہلی حالت پر اب تک قایم ہیں۔ اس کے مقابلہ میں انسانوں کو دیکھو اور اُن سے پوچھو کہ تم نے بھی کوئی ترقی کی ہے یا نہیں۔

تمہیں اس سوال کے ساتھ ہی یہ جواب شافی ملیگا کہ انسانوں نے ان محدود معاملات اور ضروریات میں بھی ترقی کا لاکھوں تک نمبر پہونچادیا ہے اور اب تک برابر ان سلسلوں میں روز افزوں ترقی کررہے ہیں یہ تو بہت ضروری جملہ اور فقرہ ہے کہ "ضرورت ایجاد کی ماں ہے" لیکن احساس ضرورت کے واسطے بھی تو کوئی اوزار اور آلہ ہونا چاہئے۔ وہ اوزار اور وہ آلہ جو ضروریات کو احساس کرتا ہے کیا ہے۔ یہی طبیعتوں کا مختلف اور ممتاز ہونا اگر انسانی طبیعتوں میں یہہ اختلاف اور یہ امتیاز نہ ہو تو وہ کس ذریعہ سے ان ضرورتوں کا احساس اور ادراک کرسکتا ہے۔ جب تک انسان اپنی ضرورتوں کا احساس نہ کرے اور اُسے علم ہی نہو کہ اُسکو اس چار روزہ زندگی میں کن کن امور اور کن کن باتوں کی حاجت اور ضرورت ہے تو وہ ایجاد اور اختراع کیا کرے گا۔ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ الضرورت ام الایجاد وہاں اُس کے ساتھ یہہ کہنا بھی لازمی اور ضروری ہے کہ "احساس الضرورت" "مقدم علی الضرورت" اور احساس کیساتھ احساس کا مختلف الحیثیت و الوزن ہونا بھی ضروری ہے اگر سب ضرورتوں کا احساس ایک ہی استعداد اور ایک ہی مقدار کا ہو تو پھر بھی کوئی فایدہ نہیں۔ اُس کے اختلاف سے ہی مختلف ضرورتوں کا صحیح صحیح علم ہوگا اور یہہ احساس اُسی حالت میں مختلف حیثیت ظاہر کریگا کہ جب انسانوں کی طبیعتیں آپسمیں مختلف ہونگی۔ اور اُنکے جذبات ایکدوسرے سے جُدا جُدا جائیں گے اگر طبیعتیں مختلف سڑکوں پر نہ چلیں گی تو یہہ احساس ضرورت کسی حالت میں بھی ظہور پذیر نہیں ہوسکتی اور اگر ہوگی تو کسی ایک ڈھانچ پر جو کسیصورت میں مفید اور نفیعرساں نہیں ہے۔ کیونکہ وہ صورت بھی ایکہی راہ پر تمام طبیعتوں کو لیجائے گی جسکا نتیجہ یہی ہوگا کہ جو توحد طبایع کا ہے۔ احساس ہمیشہ مذاق کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے اگر کُل طبایع کا مذاق ایک اور یکساں ہو تو ضرور ہے کہ اُنکا احساس بھی واحد اور یکساں ہو اس وقت جو انسان مختلف مذاق کے ذریعہ سے مختلف

اجناس کی صورتوں کو محسوس کرنا ہے اُس کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ دُنیا میں انواع واقسام کی ترقیات اور عمدگیاں پائی جاتی ہیں اگر ایسا اختلاف نہ ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان عمدگیوں اور ترقیوں کا وجود پایا جاتا۔

انہیں ضروریات کے واسطے قدرت نے کُل انسانوں کو مذاق اور طبائع میں ایکدوسرے سے مختلف بنایا ہے۔ اگر ہم غور کریں گے تو ہمیں معلوم اور ثابت ہو جائیگا کہ بلا کسی شک و شبہہ کے ہر ایک انسان کی طبیعت اور مذاق دوسرے سے مختلف ہے ایک طبیعت سے دوسری طبیعت کُلیتاً نہیں ملتی۔ اگرچہ چند امور میں مشابہت ہو بھی تو صدہا امور میں مخالفت بھی ہوتی ہے جو لوگ ایک ہی غرض اور ایک ہی اصُول کے پابند ہیں اُنمیں بھی اس اختلاف کو دخل ہے اگر ہم چاہیں کہ دُنیا میں ایسی دو طبیعتیں پائیں کہ جو ایک دوسرے سے بالکل موافق ہوں تو شاید ایسا موقعہ ملنا بہت ہی مشکل ہوگا۔ خیالات تو کُجا مزاج میں بھی ایک انسان دوسرے انسان سے موافقت نہیں رکھتا۔ طبیب اور ڈاکٹر اس امر کو اچھی طرح سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مزاج دوسری مزاج سے کیسی مختلف ہوتی ہے۔ اگرچہ سب میں برودت حرارت اور خون و صفرا وغیرہ پائے جاتے ہیں مگر اگر انکے امتزاج کو ایک کرنا چاہو تو ناممکن ہے۔ اس اختلاف کی وجہ بھی یہی ہے جو طبائع کے اختلاف کی ہے اگر انسان کے کارنامہ میں یہ عدم اختلاف طبائع کیصورت میں نزعم اور متصور نہ تھی یہ مختلف نشوونما اور مختلف شگوفے دُنیا کے باغ کے انہیں اختلافات اخرجہ اور طبائع کا اثر یا نتیجہ ہیں ان امور سے ناظرین کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ طبائع کا آپس میں مختلف ہونا بہت ہی ضروری تھا اگر ایسی صورت نہ ہوتی تو کمال پریشانی اور خرابی کا سامنا ہوتا ایک طبیعت اور ایک مذاق تو دوسرے سے مختلف ہے اور اسکی ضرورت بھی ظاہر اور اہین ہے اس کے مقابلہ میں ایک طبیعت کا خیالات میں تبدیل ہوتے رہنا

بھی ضروری اور لازمی تھا۔

تبدیل خیالات

جیسے سب طبائع کا آپس میں مختلف اور متضاد ہونا ضروری ہے ایسے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ایک طبیعت کے خیالات اور قیاسات بھی ذاتی طور پر بہ ہیئت اسباب مختلفہ حقیقتوں کے قبول کرنے کے ساتھ ساتھ ہی متبدل اور متغیر ہوتے رہیں۔ اگر طبائع انسانی میں ایسی تبدیل ذاتی نہ ہو تو اس صورت میں بھی انہیں قبوحات کے پیش آنے اور حایل ہونیکا اندیشہ ہے کہ جو در صورت عدم اختلاف طبائع کے متیقن ہیں۔
بہ صورت عدم تبدیل خیالات اور قیاسات کے انسان ایک ہی خیال اور ایک ہی قیاس پر ہمیشہ کے واسطے قایم رہ سکتا ہے جو ایک محدود صورت اور محصور احاطہ ہے۔ گویا پھر ایک شکستہ خیال اور قیاس سے تحرک کرنا ناممکن کے قریب قریب ہو جائیگا۔ خداوند کریم نے ایسی ضرورت کے باعث انسان کی ذات میں یہ خاصہ رکھدیا ہے کہ وہ ہمیشہ اختلاف اسباب کے ساتھ ہی اپنے قیاسات اور خیالات کو تبدیل کرتا رہتا ہے یہ ضروری نہیں کہ انسان عدم رائے صائب اور خیال صحیح ہی پیدا کرے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہمیشہ انسان کو عمدہ اور کافی اسباب ہی میسر آئیں ممکن ہے کہ اسباب میں کمزوری اور غلطی ہو اور ممکن ہے کہ اسباب کافی نہ ہوں اسی صورت میں قیاسات اور خیالات درست اور شافی نہ ہونگے۔ اگر انہیں صورتوں پر انسان قایم رہے تو ہمیشہ کے لئے ایک گمراہی پر رہے گا۔ اور اس کو کبھی بھی راستی اور صدق کی تمیز کا موقعہ میسر نہ آئے گا۔ اور نہ وہ خیالات اور قیاسات میں بلند پروازی اور ترقی کافی کر سکیگا۔ کیونکہ جب اقتضائے طبیعت سے ایک ہی خیال اور ایک ہی قیاس پر قایم اور ثابت رہا تو دوسرے درجوں کو کب اور کیونکر طے کر سکتا ہے اگر انسان اپنی

فنات پر غور کریگا تو وہ معلوم کریگا کہ اُس کی قوت خیالیہ کیسے کیسے چکر اور پلٹے کھاتی ہے
اور اس راہ میں کیا کیا تبدیلیاں دیکھنی پڑتی ہیں۔

ایسی تبدیلیوں کے واسطے اسباب کا تغیر اور تبدل ایک بھاری وجہ ہے۔
اسباب کا سلسلہ یکساں اور ایک ہی نمط کا نہیں ہے اور نہ اُنکا حدوث اور تہیہ ایک ہی شرط اور صورت سے ہوتا ہے کبھی چند اسباب ایک سلسلہ سے مُہیا ہو جاتے ہیں اور اُنکا ضروری حصہ باقی رہجاتا ہے۔ اس باعث پورا اقتباس اور صحیح خیال نہیں کیا جا سکتا دوسرے وقت میں پورے اور کافی اسباب مہیا ہو کر تبدیل کا باعث ثابت ہوتے ہیں ایک وقت میں انسان ایک خیال یا ایک امر کو صحیح اور واقعی خیال کرتا ہے اور دوسرے وقت میں خود ہی اپنی غلطی کا علم ہو جاتا ہے اور مُنصف انسان کو ماننا اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ پہلا خیال تبدیل کے لایق ہے اگرچہ بعض انسان ظاہر میں اُس تبدیلی کے وقت بہت سے وہمات اور فضول دلایل پیچ سابق بر لاتے ہیں مگر دراصل یہ اُن کو خود ذہن میں ضرور اپنی غلطی اور لغزش ذاتی کا قایل اور مقر ہونا پڑتا ہے۔ اگرچہ وہ موبہ ست نہ مانیں مگر اُنہیں وہ تبدیلی ضرور ہی کرنی پڑتی ہے۔
ہم اگر فرض کریں کہ انسان کیوں اپنے خیال کو تبدیل کرے کیوں نہ اُس سابق صورت پر ہی قایم رہے تو ہمیں ایک تھوڑے سے تامل کے بعد خود ہی قایل ہونا پڑے گا کہ اس خیال اور کلیہ سے نظام عالم درست نہیں چلنے کا۔ اور اگر ہم چاہیں بھی تو اس پر چل نہیں سکتے کیونکہ جب ہماری طبیعت میں ہی یہ میل اور خاصہ موجود نہیں ہے تو پھر اُس کا ظہور کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہ کہا جائے گا کہ پھر یہ کیوں کہا گیا ہے کہ انسان کو ایک ہی خیال پر استقلال سے قایم رہنا چاہیئے اور جسکی مزاج میں استقلال نہ ہو وہ گویا کمزور خلقت کا انسان ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استقلال اُن ابتدائی خیالات کی نسبت نہیں ہے جنکی تبدیلی لازمی اور ضروری ہے بلکہ اُن خیالات اور قیاسات کی بابت جو پوری غور اور کافی اسباب کے تہیہ کے بعد قایم اور ثابت ہو چکے ہیں اور جنہیں نظر ثانی اور مکرر غور کی کوئی ضرورت نہیں۔

اور یہ استقلال اُسیوقت تک قابل تقلید اور تسلیم ہے کہ جب تک اور جدید اسباب سے اُس کی حالت میں دگرگونی اور ضعف نہ پیدا ہو۔ جب اسباب جدیدہ سے اُس کی صحت میں فرق آجائے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اُس سے اعراض کر کے صحیح اور واقعی صورت کو اختیار نہ کیا جاوے ہر ایک [illegible] اور ہر ایک خیال کی تائید اور تصدیق اسباب سے ہوتی ہے اگر جدید اسباب نے پرانی صورت اور واقعہ کو غلط اور مسترد ثابت کر دیا ہے تو کیوں نہ جدید واقعات کو اختیار کیا جائے اس استقلال کی بابت لوگوں میں بہت سے اغلاط نے شہرہ پا رکھا ہے اور اسی وجہ سے اکثر لوگ اقبال حقایق جدیدہ سے محروم رہتے ہیں اُنکی یہ رائے اور یہ خیال ہے کہ ہم اپنے پرانے خیالات اور سابقہ تحقیقات کو کیوں تبدیل کریں اور کیوں غیر مستقل طبیعت کے الزام سے ملزم بنیں یہ اُنکی سخت اور فاش غلطی ہے استقلال طبیعت سے یہ مُراد نہیں کہ غلط حقایق کو بھی باوجود انکشاف اور ظہور صحیح حقایق کے رد نہ کیا جائے یہ استقلال اور صحت طلبی نہیں ہے بلکہ ایک ہٹ اور ضد ہے۔ اسی ضد اور ہٹ نے بعض لوگوں کو قبول صداقت سے روک رکھا ہے زمانہ کے ساتھ ساتھ اسباب الاشتباہ ترقی کرتے جاتے ہیں اور اُنہیں ایک روشنی اور ضیا آتی جاتی ہے اور لوگوں پر جدید اسباب کے ظاہر اور پیدا ہونے سے جدید واقعات اور قیاسات کا ثبوت اور اظہار ہوتا جاتا ہے۔ اگر ہم خیالات اور قیاسات کے ایک مجموعہ کو لے کر دیکھیں کہ اُنمیں سے کسقدر ایسے قیاسات اور خیالات ہیں کہ جو صدہا تبدیلیوں کے بعد صحیح [illegible] پر قایم ہوئے ہیں تو ہمیں پتہ ملجائے گا کہ صدہا ہی ایسے قیاسات ہیں کہ جو ایک زمانہ میں کچھہ تھے اور دوسرے میں اُنکی کچھہ حالت ہوگی اور ایک عرصہ کے بعد اُنہوں نے ایک اَور ہی صورت اختیار کی۔ ہزاروں مسایل کو جنہیں لوگ [illegible] ایک زمانہ میں [illegible] تسلیم [illegible] ہے اور تحقیقات کرتے کرتے اُنمیں وہ تراش اور خراش [illegible] کہ گویا اُنکی [illegible] ہیئت ہی تبدیل ہوگئی اور بجائے اُس کے [illegible] صورت [illegible] قبول کیا [illegible] ہے یہ غلطیاں نہیں بلکہ عین خود

موجودہ نے ہی غلط اصولوں سے صحیح قاعدہ کو جدا کرکے اصلیت کو قایم کیا۔ صدہا ایسے حکمی مسایل اور اجتہادات ہیں کہ جو دوسرے حکیموں نے برسوں کے بعد صحت اور اصلیت کی صورت میں قایم کرکے دکھائے۔ اگر تبدیل خیال کی قوت خود انسان میں نہ ہوتی تو ایسی مفید تبدیلیاں قایم ہوکر حقیقتیں کیونکر کھلتیں اور کسطرح پر علوم اور ثابت ہوتا کہ در اصل حقیقت یہ ہے یہ اس تبدیل خیال کا ہی اثر اور برکت ہے کہ انسان مختلف ترقیوں اور عمدگیوں کو اپنے خیال کے ذریعہ سے ہی حاصل کرتا ہے۔

انسان کا نیکی اور بدی کی حالت میں تمیز کرنا اور بدی کو چھوڑ کر نیکی کو پسند کرنا ایسی تبدیل خیالات کا اثر اور نتیجہ ہے۔ انسان خود ہی ایک امر کو ناکافی اسباب سے سوچتا اور اسکا یقین کرتا ہے اور ایک خاص عرصہ تک اُس پر قایم اور ثابت رہتا ہے اُس کے بعد اُس پر ایک ایسا متمیز زمانہ آتا ہے کہ آوٗر جدید اور وسیع اسباب کی بدولت اور زور سے حقایق معتقدہ سابقہ میں غلطی نکل آتی اور اُسے متنبہ کرتی ہے اور وہ اُس غلطی کو دریافت کرنے کے بعد جدید اسباب کے ذریعہ سے ایک حقیقت کو دریافت کرکے راہ صدق پاتا ہے۔ خدا نے انسان کی طبیعت کو اندھا نہیں بنایا کہ جو راستہ اُسے بتلا دیا جائے اُسی پر سالک رہے اور ادھر اُدھر نظر بصیرت کرکے بھی دیکھے کہ دُنیا میں اُس سابق خیال اور قیاس کے علاوہ اور کیا کچھ ہو رہا ہے خدا نے انسان کی طبیعت کو فہیم اور بصیر اور سامع بنایا ہے وہ اپنے اِرد گرد دیکھتی اور اُنپر غور کرتی ہے وہ جدید اسباب کو ہمیشہ تلاش کرتی اور اُنپر چلتی ہے اگر کوئی حجت و اعتراض کے باعث ایسا نہ کرے تو اُسکی اپنی غلطی ہے دُنیا کے بارونق بازار میں بُری اور بھلی سب اشیاء بکتی ہیں اور ہر ایک اچھی شئے خریدار کو خود اپنی طرف بُلاتی ہے اور خریدار کا دل خود عمدہ شیون کیجانب منجذب ہوتا ہے اگر کوئی خریدار آنکھیں بند کرکے اچھی اور خوبصورت اشیاء کو نہ دیکھے اور اُنکی خواہش نہ کرے تو یہ اُس کا اپنا قصور ہے بازار دنیا کو بے رونق نہیں کہا جا سکتا۔ اگر تمہارے پاس بُری شئے یا بُرا خیال ہے تو تم اُسکو خوشی کے

کے ساتھ تبدیل کر سکتے ہو مگر اس کے واسطے ضرور ہے کہ تمہیں یہ شوق اور ذوق بھی ہو - قدرت کا احاطہ بہت وسیع اور گہرا ہے - اگر انسان اپنی تحقیقات کو اُس سے وسیع اور گہرا سمجھ کر خاموش رہے اور خیالات کا مقابلہ نہ کرے تو یہ اُس کی سخت غفلت اور قابل شرم تقرش ہے - ناقص خیال کو ترک کر کے عُمدہ خیال کو قبول کرنا حماقت اور بے غیرتی نہیں ہے بلکہ ایک حکمت اور صحت ہے - کیا بیمار کو ڈاکٹر سے رجوع لانا کوئی بُرائی ہے -

جانور جنہیں خدا نے بہت ہی کم شعور بخشا ہے اور جنہیں صحت و سقم کے درمیان تمیز کرنے کی چنداں ضرورت بھی نہیں - وہ بھی ایک اچھا دانہ دیکھ کر ناقص دانہ کو پھینک دیتے ہیں اور بُرے اور نکمے گھونسلہ کی بجائے ایک عُمدہ اور اچھا گھونسلہ بدل لیتے ہیں - کیا اس سے انسان کو یہ سبق نہیں ملتا کہ اُسکو بھی اپنے خیالات کی عُمدہ تبدیلی میں کوشش کرنی چاہئے +

توجہ طبائع یا خیالات

اس بحث کے ضمن میں یہ سوال بھی کیا جائے گا کہ کیا طبیعتیں متوحد یا متحد اور یکسو ہو ہی نہیں سکتیں اور کیا خیالات کا یکساں اور متوافق ہونا بعید از قیاس اور دور از عقل ہے اور جب ایسا ہو نہیں سکتا تو پھر نظامِ عالم کیونکر چلیگا کیونکہ نظامِ عالم کی خوبی رفتار کے واسطے تو یہ صورت اتحاد اور توحد تامہ کی ضرورت ہے اور اسی صورت کے پیدا کرنے کے لئے تمام حکما اور منتظمین کا زور اور اتفاق رہا ہے - جب قدرت ہی اسکی مانع اور مزاحم ہے تو پھر کس صورت میں یہ نیک اور ضروری ذریعہ پیدا ہو یا توقع میں آسکتا ہے -

اسمیں کوئی بھی شک اور شبہہ نہیں کہ طاقتوں کی توجہ اور اتحاد کی دُنیا میں سخت

ضرورت ہے اور یہی وسیلہ اُنکی ترقی اور عروج کا ہے لیکن ہمنے جو یہ بیان کیا ہے
کہ اختلاف لازمی اور ضروری ہے اور اُس کے سوائے دُنیا کی حالت مُسترح اور
مترقی نہیں ہو سکتی تو اُسکا مطلب یہ نہیں کہ دُنیا کو توحد اور اتحاد کی ضرورت نہیں
کیونکہ اس کے بغیر تو اس ٹھاٹھ کا بھی چلنا مشکل ہے لیکن یہ توحد اور یہ اتحاد خیالات
اور قیاسات کی گھوڑدوڑ میں لازمی اور ضروری نہیں اور نہ اس صورت میں اسکا کچھ
فایدہ ہوگا کیونکہ جب تک خیالات اور قیاسات میں تفریق اور اختلاف نہو گا تب
تک دنیا کی گرم بازاری نہیں ہو سکتی یہہ توحد اور یہہ اتحاد اُن نتائج اور اُن صورتوں میں
لازمی اور ضروری ہے کہ جو اس گھوڑدوڑ اور رفتار خیالات سے پیدا ہوتی ہیں اور جو
گویا انسانی مساعی کا نتیجہ اور اثر ہیں۔ اگر انہیں انسانوں یا جماعتوں کا اتفاق اور
اتحاد یا توحد نہو تو اُس صورت میں ضرور ایک نقصان رساں حالت پیدا ہوگی۔ اُس
پہلی صورت یا حالت میں کوئی زیان نہیں خیالات کی گھوڑدوڑ اور تبدیل یا تغیرات
میں نہ تو اتفاق اور اتحاد ہو سکتا ہے اور نہ ہی اسکی کوئی ضرورت ہے۔ اگر اس صورت
میں اتفاق یا اتحاد کی سعی کیجائے گی تو وہ رائیگاں ہو کر دنیا اور دنیا والوں کے حق میں
ایک مضر اور اُلٹا اثر پیدا کرے گی۔ اور جو ترقی اور بلند پروازی اس اختلافِ رفتار
سے ظاہر اور پیدا ہو رہی ہے اُسکا وجود باقی نہ رہے گا۔

جس امر کی خواہش کیجاتی ہے یعنے توحد اور اتحاد خیالات کی اگر سوچو تو اُن کا
وجود کیونکر اور کس طرح سے قایم ہو سکتا ہے طبایع کا اختلاف تو اُنکا چھپا نہیں جب
تک یہ رہیگا وہ خواہش اور آرزو کیونکر ظہور میں آئے گی۔ نہیں نہیں یہ خواہش
ہی محال اور فضول ہے خیالات اور قیاسات کے توحد کی کوئی ضرورت نہیں ضرورت
اس امر کی ہے کہ خیالات اور ان قیاسات سے جو نتیجہ اور اثر ثابت اور صحیح واقعہ
ہیں اُنکی تصدیق اور تائید اتحاد اور یکسوئی سے کیجائے۔ اُن اشکال مثبتہ اور

نتائج صحیحہ اور واقعات مصدقہ کو بصورت تومد مانا جائے اگر یہ تومد نہ ہوگا تو ضرور قبوحات کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

مثلاً اگر ایک ریاضی داں نے اس امر کو صحیح طور پر ثابت کر دیا ہے کہ ایک عدد کے ساتھ دوسرا ایک ملانے سے ۱۱ ہو جاتے ہیں گو یہ امر پہلے خیالات کی گھڑ دوڑ میں کسی صورت سے مانا جاتا تھا لیکن اب لازمی امر ہے کہ اس کو بالاتحاد تسلیم کیا جائے کیونکہ اس میں اختلاف کرنے سے ایک مثبتہ حقیقت کا خون ہوتا ہے اور وہ نظام دُنیا کے مخالف ہے اسیطور پر اور حقایق مثبتہ کو سمجھ لو۔ غرض تومد اور اتحاد و حقایق مثبتہ اور قضایا ے مصدقہ میں ضروری ہے اور جو صورتیں زیر تحقیقات اور بحث ہوں اُنمیں نہ تو اتفاق ہو سکتا ہے اور نہ اُس کی کوئی ضرورت ہے اگر ایک ریاضی کے سوال میں عمل کا اختلاف اور ایکدوسرے عامل کے طرز عمل میں تفاوت ہو تو اس کا کیا ڈر اور کیا خوف ہے۔ اگر سب عاملوں کے جواب ایک اور درست ہیں تو تب بھی یہہ اختلاف بُرا نہیں اور اگر سب عملوں میں سے ایک عمل کے ذریعہ سے صحیح جواب نکلا ہے تو اُسیکو قابل تسلیم کہا جائے۔ اگر اُس صحیح عمل کو بالاتفاق صحیح نہ سمجھا جائے تو وہ صورت ضرور مخدوش اور ابتر ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نہیں عملونکا اختلاف ہی ناقص اور بُرا تھا اور انکا مختلف ہی ہونا دُنیا کے حق میں مضر ہے تو یہ ایک بیہودہ اور ناقص خیال ہے۔ اگر یہ مختلف عمل نہ ہوتے تو صحیح عمل کسکو کہا جاتا اور کیونکر تمیز ہوتی کہ فلاں عمل بہ نسبت فلاں عمل کے درست اور صحیح ہے۔ یہ اختلاف تو عین ضروری اور احسن ہے ترقیات علایق کے لئے اسی کی تو اشد ضرورت ہے۔

فرض کرو ایک مجلس میں اس بات پر بحث ہے کہ آیا ہندوستان میں تعلیم مستورات کی ضرورت ہے یا نہیں اور اسمیں چند ممبران شامل ہیں۔ ہر ایک ممبر کی جُدا جُدا رائے ہے۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ اور ہر ایک اپنے دعوے پر مختلف

دلائل لاتا ہے۔ اس حالت میں اختلاف بہت ہی مناسب اور ضروری ہے اور اس سے آخیر پر ایک ایسا تیسرا امر ثابت ہوگا کہ جو گویا اُس عام بحث کا آخری نتیجہ سمجھا جائے گا۔
اگر اس آخری نتیجہ کے تسلیم اور قبال میں اختلاف کیا جائے تو اُسکو ہم توحد عامہ اور اتفاق کے مخالف کہیں گے۔ کیونکہ جب ایک امر دلائل اور کافی مباحثہ کے بعد ثابت کیا گیا اور اُس کی ضرورت عام براہین سے سمجھی گئی ہے تو پھر کیوں نہ اُس کی بابت توحد اور اتفاق عامہ کی صورت کو ضروری اور لازمی سمجھا جاوے۔ اگر ایسی صورتوں میں توحد اور اتفاق کیصورت نہ قایم کیجائے گی تو اُن فواید اور منافع کے حصول کی اُمید قطعاً منقطع ہوجائے گی۔ اور اس نااتفاقی اور اختلاف سے وہ عروج جسے انسان اپنا ورثہ اور غایت المرام سمجھتا ہے ہاتھ سے جاتا رہیگا۔
وہ صورتیں جن پر عام اتفاق اور توحد کی بُنیاد قایم ہے اور وہ قضایا جنپر عام مخلوق یا ایک فرقہ کو متوحد یا متفق ہونا چاہئے ایسی ہی مثبتہ اور مصدقہ صورتیں اور حالات ہیں اور انہیں صورتوں سے مُراد ہے کہ اگر اُن پر اتفاق نہ کیا گیا تو اچھے نتائج پیدا نہ ہونگے۔ ان سے اول کی صورتوں اور حالات میں کہ جو ابتک زیر بحث ہیں اور جو بعد از بحث اور اختلاف کثیر کے ایک عُمدہ اور اخیر نتیجہ پر آنیوالی ہیں اختلاف اور تباین کا قایم رہنا ہی نہیں بلکہ رکھنا ہی ضروری اور لازمی ہے تا وقتیکہ اختلاف اور تباین آراء کا نہ ہوگا۔ اُمید نہیں کہ اخیر کی منفصلہ صورت پیدا ہو۔ بہت سے ایسے مُعاملات اور قضایا ہیں کہ جو اختلافات کثیرہ سے شروع ہو کر ایک خاص صورت پر قایم ہو جاتے ہیں اور اُسیکو ایک نتیجہ اور ضروری مرحلہ سمجھا جاتا ہے۔
گو کوئی شک نہیں کہ اکثر اوقات اُن خاص صورتوں میں لوگوں کے درمیان تباین اور تخالیف ہوتا ہے۔ مگر ایسے تخالیف اور تباین اسباب اور دلایل کے اختلافات کا موجب ہوتے ہیں۔ جب اسباب اور دلائل کا میلان اور یکسوئی ہو جاتی ہے (جو اخیر پر ہونا

ایک لازمی امر ہے، تو وہ اختلافات جزیہ بھی دور ہو جاتی ہیں اور وہ اُس وقت تک کہ اسباب اور دلایل سے فیصلہ جدید نہ ہو اور کوئی شخص ایک امر کو پھر انہیں سے طے شدہ نہ خیال کرے۔ تب تک وہ ایک جدید امر کو کیونکر منظور یا قبول کر سکتا ہے۔ کوئی شخص کسی دوسرے کو اُس وقت تک ایک خیال کے قبول اور منظور کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا جب تک کہ اُس کو دلایل سے قایل نہ کیا جائے۔ اگر بعد دلایل ہی کسی امر کا منوانا ضروری اور لازمی ہے تو وہ ایک شاہی قانون ہوگا۔ طبعی اور آزادانہ حالت نہیں ہے۔ قانون گورنمنٹ کے سامنے کوئی شخص دم نہیں مار سکتا۔ کیونکہ حکومت کے آگے ہر ایک شخص کو سر جھکانا لازم ہے۔ لیکن عام خیال سے کوئی امر بلا ایراد براہین نہیں منوایا جا سکتا۔ ایک دل دوسرے کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ "تو اس امر کو میری خاطر مان لے"۔ خدا نے بھی جو قانون بندوں کو دیا ہے اُس میں بھی اپنی خدائی اور خالقیت کے منوانے کے دلایل اور براہین دئے ہیں اور ہر ایک امر کو بندوں پر حجج سے ثابت کیا ہے۔ جب خدا نے بھی آزادی کے قانون کی پیروی اور لحاظ کیا ہے تو کیا بندوں اور انسان کو اس پر کاربند نہیں ہونا چاہیے؟

ہر ایک شخص کو ایک رائے کے اظہار کا اختیار ہے۔ کوئی شخص اُسکو اس سے روک نہیں سکتا۔ یہ بات کہ کوئی رائے اُس وقت تک ظاہر نہ کیجائے جب تک کہ وہ درست اور صحیح یا تسلیم نہ ہو ایک ایسی رائے اور ایک ایسا محدود قانون ہے کہ جو کسی حالت میں پیش نہیں کیجا سکتی صحت اور درستی رائے یا خیال کب ایک صحیح علم اور کب ثبوت ہوگا اور کب یہ کہا جائے گا کہ فلاں رائے اور خیال درست اور صحیح ہے اور فلاں غیر درست و غلط۔ اُسیوقت کہ جب اُسکو صورت اظہار عام میں لایا جائے گا۔ ایک شخص ایک شے کو دوکان یا بازار میں بر سر عام تو رکھتا نہیں اور بازار میں یا اپنی دوکان کے ایک کونہ پر کھڑا ہو کر منادی کر رہا ہے کہ میں فلاں شے اس نرخ پر فروخت کرتا ہوں کیا کوئی شخص

اس اختیار کی صورت میں اُس شے کو بند یا ناپسند کر سکتا ہے اور کیا یہ رائے قائم کیجا سکتی ہے کہ اُس کی اصلی قیمت یا نرخ ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں کیا خریدار دیوانے ہونگے یا وہ ہوائی منادی جو یوں ہی شور کر رہا ہے یہی حالات اُن خیالات کے ہیں کہ جو بلا اظہار اور بحث کے دُنیا کے تسلیمی بازار میں رکھے جاتے ہیں اُنکی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ اُنمیں اس درجہ تک صداقت ہے۔ اظہار حالات سے لوگوں کو روکنا دُنیا کی ترقی اور عروج کے ناکوں اور سوتوں کو بند کرنا ہے اور اس امر پر لوگوں اور مخلوق کو آمادہ بنانا ہے کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے اُسکو دلوں میں ہی رکھو۔ ایک گواہ یا شاہد کو عدالت کبھی نہیں کہہ سکتی کہ تمہیں جو کچھ معلوم ہے اُس کو ظاہر نہ کرو یا اُسیقدر کہو کہ جس کی تمہیں اجازت بخشی جائے یا جو عدالت کہے وہی الفاظ اطلاق ہوں یہ طریق عمل عدالت کا قطعاً ایکٹ شہادت کے خلاف اور منافی ہوگا سو دُنیا میں انسان معاملات پر اپنی دلی شہادت اور گواہی دینے آیا ہے وہ کبھی اور کسی حالت میں اس شہادت سے نہیں روکا جا سکتا جو کچھ وہ جانتا ہے اور جو کچھ وہ کہنے کو اس دُنیا کے سٹیج پر آیا ہے اُسے بلا روک ٹوک اور بلا مزاحمت کہنے دو اُس کو قدرت نے منہ بولنے کے لئے۔ اور کان سُننے کو اور دل سوچنے اور خیال اظہار کے واسطے دیا ہے وہ کبھی ان فرائض سے بند نہیں رہ سکتا اور نہ اُس سے بند کیا جا سکتا ہے۔ دُنیا ایک جمہوری سلطنت ہے اس جمہوری حکومت میں ہر ایک کو بولنے کا حق کامل حاصل ہے۔ "کون ہے جو دوسرے کو یہ کہے کہ تمہیں اپنا خیال ظاہر نہیں کرنا چاہئے" اگر آزادی کا کوئی وجود ہے اور اگر خدا نے ان طاقتوں کو رائیگاں پیدا نہیں کیا تو مخلوق الہی اُسکی حقدار ہے اور اگر یہ امور کچھ نہیں ہیں اور انکی کوئی قدر نہیں کی جا سکتی تو اُس کو کوئی حق نہیں ہے لیکن یاد رہے کہ زمانہ انسان کو خود یہ حقوق دلانے کو تیار ہے جہاں اس کی بندش ہوئی وہاں ہی فتور پیدا ہوا۔

خیالات کیا ہیں۔ " وہ پانی ہے جو طبعی ذخیرونمیں ہر وقت کھولتا ہے اور جس کے نیچے ہر وقت غضب کی آگ جلائی جاتی ہے"۔ اگر ایسی منفذ کا موہنہ بند کیا جائے گا تو یقیناً وہ ویغین پھٹکر ایک فتور پیدا کریں گی۔ اور سٹیم ایک آفت برپا کریگا۔ یہی حال انسان کے خیالات کا ہے وہ گویا دلونکی ویغیونمیں کھولتے اور جوش کھار ہے ہیں اگر انکو دلونکی ویغیون میں بند کیا جائے گا اور اظہار کی اجازت نہ دیجائے گی تو انکا سٹیم اور پھٹنا بھی دنیا کے گھر میں ایک سخت اور خوفناک آفت لائیگا اور وہ حالت پیدا ہوگی جو اخیر پر خود انسانی جماعتوں کے حق میں ہی ناقص اور بُری ثابت ہوگی۔

یہہ کہا جائے گا کہ کیا بُرے اور مذموم خیالات کے اظہار کا بھی ہر حالت میں اختیار ہے۔ نہیں نہیں اظہار خیالات سے یہ امر مراد اور مزعوم نہیں ہے کہ ہر ایک مذموم خیال ہی عرصہ ظہور میں لایا جائے اظہار خیالات سے وہی طریقہ مرعیہ مراد ہے کہ جن کا انسانوں کو حق ہے جیسے انسانوں کو یہہ حق ہے کہ اپنے خیالات کا اظہار کریں ویسے ہی انکو اس سے بھی روکا گیا ہے کہ بُرے اور مذموم خیالات کا انکو کوئی حق نہیں۔ آزادی حقوق پر بحث کرتی ہے۔ جو حق سے باہر جاتا ہے وہ بھی گویا آزادی کا خون کرتا ہے۔

جو لوگ اس امر یا اس لعنت کے جان وادہ ہیں کہ آزادی حقوق کو بھی تلف کر سکتی ہے وہ ایک سخت غلطی پر ہیں۔ آزادی در اصل دوسرے معنوں یا دوسری صورت میں " احفاظ حقوق کا نام بھی ہے "۔ اگر ایک شخص آزادی سے یہہ کہتا ہے کہ فلاں امر یا فلاں واقعہ یوں نہیں یوں ہے تو وہ در اصل ایک حق کی دلایل سے حفاظت کرتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ در حقیقت " تحفظ حقوق " کا نام ہی آزادی ہے اور اگر کوئی شخص ان حقوق سے باہر ہو کر اظہار یا بحث کرتا ہے تو وہ آزادی کی مخالفت کرتا ہے یہ بڑی غلطی ہے کہ لوگ دوسروں کے حقوق کو تلف کر کے آزادی قایم

رکھنا چاہتے ہیں۔ اظہار خیالات کے بھی مراتب ہیں اگر اُن مراتب سے کوئی شخص تجاوز کر کے عمل کرے تو وہ ایک حق اور ایک حد مقررہ کو توڑتا ہے اور ایک ایسے مکروہ امر کی خواہش کرتا ہے کہ جو اُس کا حق نہیں اور وہ اپنے عمل سے دنیا میں بے تہذیبی اور بدامنی پھیلا رہا ہے اگر کوئی شخص مغلظات کو عملیں لا کر دوسرے سے اظہار خیالات کا کرے تو وہ ایک بری اور بدنما راہ کی پیروی کرتا ہے اطلاق مغلظات ایک ایسا بُرا حق ہے کہ جو کسی کو حاصل نہیں جب ایسا کیا جاتا ہے تو آزادی کے حدود کو توڑا جاتا ہے۔

حدود یا قیود اظہار خیالات

دُنیا میں کوئی ایسا مرحلہ یا واقعہ اور امر نہیں ہے کہ جس کی کوئی حد اور قید یا شرط نہ ہو۔ قدرت نے ہر ایک امر کو ایک ایک شرط یا حد سے محدود اور مشروط کر رکھا ہے اس عام اصول یا قاعدہ سے اظہار خیالات کا سلسلہ بھی بری اور باہر نہیں۔ جو لوگ اس سلسلہ کو قیود اور شرط سے باہر اور مستثنےٰ سمجھتے ہیں اور اس قید اور حد یا شرط کو منافی آزادی کے خیال کرتے ہیں وہ ایک غلطی پر ہیں۔ ہم لعہ چکے ہیں کہ آزادی کے دوسرے معنے "تحفظ حقوق کے ہیں" آزادی کسی حالت میں ان شرائط اور قیود کے منافی نہیں ہے اور کوئی ایسی وجہ بھی نہیں کہ اُس کو خواہ مخواہ ہی منافی قرار دیا جائے جو لوگ ایسا سمجھ کر تحفظ حقوق کے ضروری قانون توڑ سکتے ہیں وہ دراصل آزادی اور قانون قدرت کی مخالفت کرتے ہیں۔

ہم پر اظہار خیالات کا اُسی حد اور اُسی درجہ تک ضروری ہے کہ جو حقوق واجبی پر حملہ آور اور صدمہ رساں نہیں ہے جو طریق اظہار ان حقوق کے خلاف ہے در حقیقت وہ ایک ناقص طریقہ اور بُرا عمل ہے اُس سے دُنیا میں آزادی کا وجود اور امن کا ساتھ

قایم نہیں رہتا بلکہ بد امن اور خوفناک صورتیں پھیلتی ہیں -

یہ بڑی غلطی ہے کہ لوگ اُن قیود اور اُن شرائط کو بھی توڑ دیتے ہیں کہ جو قدرت نے
عام طور پر قایم کی ہیں ایک شخص کو کوئی حق نہیں کہ دوسرے شخص کی ذاتیات
اور شخصی امور میں دست اندازی کرے اور اُنکی بابت اظہار خیالات کا کرے -
ایک شخص کو کوئی حق نہیں کہ دوسرے کے خاص امور میں دخل دے - ایک شخص کو
کوئی حق نہیں کہ دوسرے کے گھر پر اسواسطے حملہ کرے کہ وہ اُسکی رائے اور خیال کے
بموجب نہیں بنایا گیا - ایک شخص دوسرے کو یہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ تیرا یہ نام کیوں
رکھا گیا ہے اور اس وجہ سے میں تمہارے ساتھ لڑائی اور فساد کرونگا - گیدڑ شیر کو
نہیں کہہ سکتا کہ تم جنگل میں کیوں غراتے ہو - غرانا اُس کا ذاتی فعل ہے - تعجب ہے کہ
لوگ اس زمانہ میں دوسرونکی پگڑیوں اور گھروں میں ہاتھ ڈالتے اور حملہ کرتے ہیں حالانکہ
اُنکو ایسا کوئی حق نہیں ہے - وہ معاملات اور وہ امور قابل بحث اور قابل اظہار ہیں
جو عامہ اور پبلک ہیں جو امور عامہ نہیں ہیں اُنمیں کسیکو کیا ضرورت ہے کہ دخل
دے جو امور کسی خاص ذات سے وابستہ ہیں اُنکو عام کی لسٹ میں نہیں درج کیا جا سکتا
علم اخلاق ضرور ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم متزلزل قوتوں کا دنیا میں اظہار اور منادی کریں مگر
وہ ایک اور صورت اور ایک اور طریقہ ہے اُس طریقہ اور اس وحشی پن کو آپس میں کوئی
نسبت نہیں دوسرونکی پگڑیوں میں ہاتھ ڈالنا اور اورونکی عیبونکو ٹٹولنا تہذیب نہیں
ہے - بلکہ ایک بیہودگی اور وحشی پن ہے - ہم جس گھر اور جس احاطہ میں رہتے ہیں ہمیں
اُسی کی بابت گفتگو اور بحث کرنی چاہئے - نہیں، تو ہم ۲۰۰ نمبر کے گھر میں اور بحث کریں
۱۴۰۰ نمبر کی بابت یہ ایک کمزور طریقہ ہے -

اظہار خیالات کے واسطے ہمیشہ ہمیں اُن قیود اور اُن شرائط کو زیر نظر رکھنا ضروری
ہے جو قدرت نے قایم کردی ہیں اور جن میں اعلےٰ شرط تحفظ حقوق کی ہے جبکی

آزادی مانع نہیں ہے۔ ایک حکیم سے پوچھا گیا تھا کہ آپکی رائے فلاں حکیم کی بابت کیا
ہے۔ حکیم نے جواب میں کہا کہ مجھو امور حکمت پر خیال ۔ غور کرنے سے اسقدر فرصت
نہیں ملتی کہ میں لوگوں کی بابت ذاتیتاً رائیں قایم کروں۔ اظہار خیالات میں عموماً
ضرورت ۔ حق ۔ آزادی اور تہذیب و اخلاق کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ دنیا میں کوئی
ایسا خیال نہیں جو برے اور اچھے الفاظ اور طریقوں سے ظاہر نہ کیا جا سکتا ہو ہر
ایک خیال کے واسطے برے الفاظ بھی موجود ہیں اور اچھے بھی ۔ اور ان دونوں کا اطلاق
ایک ہی مونھ سے ہو سکتا ہے۔ یہی زبان اور یہی خیال نیکیوں کا وارث انسان کو
بنا سکتی تھی اور اسی سے بدبختی شروع ہوتی ہے۔ انسان کی زبان دو دھاری تلوار
ہے یوں بھی چل جاتی ہے اور دوں بھی اُس کے دونوں رُخ ہیں۔ انسان کی عقلمندی
اور دور اندیشی اس میں ہے کہ وہ سلیم رُخ سے کام لیوے اور اظہار خیالات کے وقت
خواہ مخواہ کی کوتوالی کر کے برائیوں کا موجد نہ ہو۔

دنیا میں ذاتیات اور مذہبی امور نے اظہار خیالات کی حالتوں اور کیفیتوں کو
بہت کچھ پیچ در پیچ بنا رکھا ہے اور پھر دونوں باتیں کسقدر نازک بھی ہیں۔ مذہب کا
وجود دنیا میں اس غرض سے ہے کہ لوگ اُسکی تصدیق کریں۔ اور ایک مذہب والا دوسرے
کو اُس طرف بلائے مگر مذہب نے یہ بھی فیصلہ کر دیا ہے کہ ہر ایک جان اور ہر ایک نفس
اپنا جواب دہ خود ہی ہوگا۔ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائیگا۔ اس تسلیم سے وہ خوف
جو اشاعت مذاہب سے خطیر قلب تھا۔ بہت کچھ ہلکا اور خفیف ہو جاتا ہے اور مذہب
والوں پر ایک خفیف سی ذمہ داری صرف ابلاغ اور کی باقی رہجاتی ہے۔
بکسی صورت میں ناموزوں اور بُری نہیں کیونکہ ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ اپنے مذہب
کی دوسروں پر اشاعت کرے۔

ایسے ہی ہم خیال کرتے ہیں کہ ذاتیات کی اصلاح یا درستی کی بابت بھی ضرورتاً اگر ذمہ داری

اٹھائی جائے تو وہ بھی بُری نہیں ہے۔ کیونکہ ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ اگر وہ
کوئی اچھا یا مفید خیال اور طریقہ رکھتا ہے تو اُس کا اعلان عام طور پر کرے مگر جب ان
امور میں دست اندازی خاص کی نوبت آجاتی ہے۔ تو وہ صورت بھی مکروہ اور مخدوش
ایک ہی رہتی ہے۔

حدود قانونی پر بحث کرنا بھی اظہار خیالات کا ایک طریقہ ہے ہم اس کو مان لیں گے کہ ہر
ایک گورنمنٹ اپنی مرضی سے قانون کا اجرا کر سکتی ہے تا وقتیکہ اُس کی حکومت کا جوا رعایا
کی گردنوں پر ہے اُسے کوئی روک نہیں سکتا مگر جو قانون رعایا کے حقوق بے رحمی سے
تلف کرتا ہے وہ بحث کے لائق ہے۔ اظہار خیالات کا تو ضروری ہے مگر اس کا طریقہ
اُنہیں شرطوں اور اُنہیں قیود سے ہونا چاہیئے کہ جو ایک گورنمنٹ کی شان کے مطابق
ہوں اسی اظہار میں بغاوت اور تمرد کا اظہار بھی ہو سکتا ہے اور اسی میں عجز اور محض
انصاف طلبی ان دونوں راہوں میں کمال فرق ہے جو حکومت آزادی کی قدر کرتی
ہے اور جو حقوق دینے کو (بشرطیکہ اُس کا وقت آگیا ہو) تیار ہے اُس کے پاس
اظہار خیالات اور انصاف طلبی لازمی اور ضروری ہے مگر وہ طریقہ مؤدبانہ اور شریفانہ
ہونا چاہیئے اُس میں صرف انصاف کو مانگو گورنمنٹ کے ساتھ ناحق کا جھگڑا اور شورش نہ کرو

اختلافات خیالات کی سودمندی

خیالات کی سودمندی باعتبار اختلاف کے گو ایسی روشن اور ظاہر ہے کہ اُس پر دلائل
اور براہین کا لانا ضروری نہیں ہے مگر تاہم مختصر طور پر اس امر کو بیان کیا جاتا ہے کہ ان
اختلافات کی بدولت دُنیا اور دُنیا والوں کو وہ کمالات اور ترقیات نصیب ہوئی ہیں
کہ اُن کا شمار اور احصار عمدگی اور تکمیل سے مشکل ہے۔
جس قدر علوم و فنون اس وقت صفحۂ دُنیا پر پائے جاتے ہیں وہ سب اسی اختلاف کی

بدولت حاصل ہوئے ہیں۔ اور اب تک انہیں روز افزوں ترقی اور عروج ہوتا جاتا ہے اور شاید اب بھی سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہے گا۔

علوم حکمیہ اور فلاسفہ میں ہزاروں ہی حکیم اور فلاسفر گذرے ہیں اور انکی بدولت صدہا حقیقتیں اور کوائف ثابت ہو کر دنیا کو فایدہ پہونچا رہی ہیں اگر غور کی نظروں سے دیکھا جائے تو پتہ لگ جائے گا کہ وہ تمام کیفیتیں اور حقیقتیں اُس وقت قایم اور ثابت ہوئی ہیں کہ جب اُن فلاسفروں اور حکیموں میں صدہا مختلف اور متضاد بحثیں اور جھگڑے ہوئے ہیں۔ اگر ایک مسئلہ کے شروع کو لیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اُس کے اخیر میں کوسوں اور صدہا کا فرق ہے شروع اُس کا کچھہ تھا اور اخیر کچھہ ہوا۔ جو درمیانی اختلافات اور بحثیں تھیں انکا کوئی شمار بھی نہیں رہا۔ جب تمام اختلافات کا خاتمہ ہو چکا تو اُس وقت ایک مصدقہ صورت اور مثبتہ قضیہ قایم ہوا۔ اگر طبیعتوں کا ایک ہی رُخ اور ایک ہی میلان ہوتا اور خیالات میں اختلافات نہ ہوتا تو کیا یہ امر ممکن تھا کہ ایسی مصدقہ صورتیں قایم ہو کر دنیا کو فایدہ پہونچائیں۔ ایک فلاسفر نے کوئی راہ نکالی اور ایک نے کوئی اور پھر اُنپر زور کے ساتھہ کامل اور مدلل بحثیں ہوئیں تب کہیں جا کر درستی اور صحت کا وجود دیکھنا پڑا۔ دلایل کا سوچنا اور ترتیب اشکال سے نتایج کا نکالنا جُدا جُدا کام ہے بعض طبیعتوں اور خیالات نے صرف اشکال کی ترتیبی صورتوں اور اسباب کو ہی مہیا کیا اور بعض نے استخراج نتایج کے وسایل کو پیدا کیا اور بعض نے اُنپر اعتراضات کئے اور بعض نے اُنکو صحیح اور درست تسلیم کر کے تائیدی دلائل کا لانا شروع کیا کیا صرف ایک طبیعت ان علوں کو خوش اسلوبی کے ساتھہ پورا کر سکتی تھی۔

دنیا میں انسانوں کو ایک علم اور ایک فن کی ضرورت نہیں صدہا علوم اور صدہا فنون کا ہونا انکی چند روزہ زندگی کے واسطے لازمی طور پر ہونا ضروری ہے۔ طبعیات۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ منطق۔ ہیئت۔ تاریخ۔ جغرفیہ۔ وغیرہ سینکڑوں علم اور صدہا

فن ہیں اور ہر ایک فن کا اقتضا و جُدا گانہ ہے - کیا بادی النظر میں یہ امر سہل معلوم دیگا کہ صرف ایک ہی طبیعت ان سب علوم کو پیدا اور کامل کر سکتی تھی ہر گز نہیں پیدا کرنا تو جُدا رہا ایک طبیعت انکو حاصل بھی مشکل سے کر سکتی ہے ہر ایک علم اور ہر ایک فن کے دلایل اور اسباب الگ اور جُدا ہیں اور اُنکی ضروری بحثیں دوسری بحثوں سے صدہا کوس کا فاصلہ رکھتی ہیں - جب تک صورت اختلافات خیالات کی سرزد نہ ہوتی تب تک انکا حصول مشکل ہی نہیں بلکہ نا ممکن ہی تھا کیونکہ بصورت توحد طبایع کے ہر ایک طبیعت کا میل اور مذاق ایک ہی جانب ہوتا یا جب کوئی شخص ایک علم یا ایک فن میں کوئی کمال یا نکتہ پیدا کرتا تو یہ سب توحد طبایع کے سب لوگ اُسی کی تقلید کرتے کیونکہ جب اُنہیں نکتہ چینی کا مادہ ہی نہیں تھا جو اختلاف خیالات کی جڑ اور اصل ہے تو انکو اعتراض کرنیکا توفیق کہاں سے ہوتا - اعتراض بھی تو اُسیوقت ہوتا ہے کہ جب توحد طبایع نہ ہو مذاق کا ایک ہونا مستلزم اس امر کا ہے کہ نہ تو کوئی نکتہ چینی کیجائے اور نہ اعتراض - جانوروں کی طرح اندھا دُھند بلا کسی وست اندازی کے سب امور اور اُنکا کمال کو تسلیم کیا جائے - اختلافات خیالات میں یہ صورت نہیں رہتی اور نہ اسپر عمل ہو سکتا ہے اگر ہم چارپائی کے ابتدائی نمونہ کو دیکھیں تو شاید وہ بہت ہی بھدا ہو گا - اگر توحد اور اشتراک کلی طبایع کا ہوتا اور مذاق میں کوئی تفاوت نہ پایا جاتا تو جس ہیت پر پہلے موجد نے چارپائی کو بنایا تھا وہی ہیت ابتک قایم رہتی اُسمیں کوئی تفاوت اور ترقی نہ ہوتی -

علی ہذا القیاس اگر اور صنعتوں کو دیکھا جائے تو انکا بھی یہی حال ہو گا - کوئی ایسا علم اور فن نہیں ہے کہ جسمیں اختلاف خیالات نے امداد اور اعانت نہ دی ہو اور جس سے اشیاء اور علموں کی حالت میں سہولت اور ترقی نمودار نہ ہوئی ہو - ہر ایک شئے کا وجود ترقی یافتہ خود ہی گواہی دے رہا ہے کہ اُسکی موجودہ صورت صدہا اختلافات کے بعد قایم ہوئی ہے - اگر یوروپ خصوصاً اہل انگلینڈ کی ابتدائی حالتوں کو دیکھا جائے تو ناظرین کو طمانیت کے

ساتھ پتہ لگ جائے گا کہ اس قوم اور اس ملک میں تخالف خیالات نے کیسی سرعت اور کیسی عمدگی سے کام دیا ہے۔ طبیعتوں نے ایک دوسرے سے بڑھ کر خیالات کی گھوڑ دوڑ کی ہے اگر ایک آدمی نے ۱۰ تک تحریک کی ہے تو دوسری طبیعتیں اُسی پر قایم نہیں رہیں بلکہ حتی الامکان اُنہوں نے ۱۰۰ نمبر تک ترقی کی ہے۔ اگر ایک شخص ایک علمی امر کی تحقیق اور ادراک کے لئے ایک لاکھ دو ہزار فٹ کی بلندی پہاڑ پر چڑھا ہے تو دوسرا اس ذرہ لاکھ ہی تک پہونچا ہے۔ اگر ایک نے یہ معلوم کیا ہے کہ حرارت کا مقیاس ۹۰ تک بھی جاتا ہے تو دوسرے نے ثابت کر کے چھوڑا ہے کہ نہیں ۱۲۰ درجہ تک بھی ترقی ہو سکتی ہے اگر ایک نے یہ ثابت کرنا چاہئے کہ انسان جو ہوا میں صعود کر سکتا ہے تو دوسرے نے بیلون بنا کر ثابت کر کے دکھایا ہے کہ جو آسمان میں یوں چڑھا اور یوں صعود کیا کرتے ہیں اگر ایک نے اس اصول کو نکالا کہ زمین حرکت کرتی ہے تو دوسرے نے آلات کے ذریعے سے اس امر اور اس مسئلہ کو ایک وضاحت اور خوبی سے ثابت کر کے دکھا دیا۔

عمارتی نقشوں میں دنیا نے اسقدر ترقی کی ہے اور ہر ایک شہر اور قریہ میں جداگانہ نمونہ نظر آتے اور ایک ترقی کا نمونہ دکھائی دیتے ہیں یہ کس عمل کی طفیل اور برکت ہے یہ اُسی اختلافات خیالات کا نتیجہ ہے ہر ایک شخص اگر ایک انسان کو ایک جدا ہی نمونہ سوجھتا ہے اور ہر ایک کاریگر اُسی وقت کامل اُستاد اور کاریگر کہلاتا ہے کہ جب اُس کے نمونے اور وضع مختلف اور تراش و خراش میں جدا ہوں جو کاریگر ایک ہی نمونہ اور ایک ہی وضع قطع سے کام لیتا ہے وہ کاریگر نہیں بلکہ ایک اندھا مقلد جو کولہو کے بیل کیطرح ایک ہی حال پر بسر کرتا ہے لباس اور ڈریس میں جو تراش خراش اور جدت یورپ میں ہو رہی ہے کیا اُس کی سودمندی اور بیشی حالت کا ثبوت دنیا کی آنکھوں کے سامنے نہیں ہے یہ تمام دنیا کپڑو کے لئے یورپ کی دوکان کو کیوں دیکھتی ہے اس کی بھاری وجہ وہی اختلافات خیالات کا اثر ہے جو یورپ کو دولت اور ہر ایک بات میں مالا مال کر رہا ہے کارخانہ والوں نے

تقلید کو چھوڑ کر اختلافات خیالات سے اس بارہ میں وہ ترقی کی ہے۔ کہ ساری دُنیا
کی ساختوں اور دوکانوں کو مات کر دیا ہے۔ اگر یوروپ کے کاریگر اور صناع بھی
ہندوستان والوں کی طرح اندھے اور لکیر کے فقیر ہوتے تو وہ بھی اُسی حالت میں اور
اُسی محدود دائرہ میں رہتے کہ جس میں ہندوستان دب رہا ہے۔ یوروپ والوں نے
لکیر کو چھوڑ کر ان ترقیات اور عروج کو پایا ہے۔

مصوری کے شریف فن کو یوروپ میں وہ من مانگی ترقی ہوئی ہے کہ جو ہر صورت
قابل تعریف ہے۔ یوروپ والوں نے اس فن شریف کو صرف ہاتھوں اور اُنگلیوں
پر ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس میں ترقی کی ہے۔ فن فوٹوگرافی وغیرہ اس امر کا ثبوت ہیں
کہ کہاں تک عروج حاصل ہوا ہے۔ یوروپ کے کاریگروں اور مصوروں نے اس امر کو عار خیال
کیا کہ وہ ایک ہی شخص کے خیال کی پیروی یا تقلید کریں جس نے فوٹوگرافی کا فن نکالا
اُس نے گویا صاف صاف کہہ دیا کہ میں کبھی بھی پہلی صورتوں اور عملوں پر ہاتھ اور قلم
سے تصویر کو نہیں بناؤنگا۔ میں ایک اَور آسان اور عام راہ نکالونگا۔ اس اختلاف
خیال نے اُس کو دونیں ہی کامیاب کر دیا۔ دستی تحریروں کو دیکھ کر یوروپ
والوں نے کراہت کی نگاہوں سے دیکھا اور عزم بالجزم کر لیا کہ کوئی اَور طریقہ ایجاد
کیا جائے آخر اُنہوں نے اختلاف خیال کی وجہ سے پریس نکالا۔ اب دیکھو کہ اس
پریس کی بدولت کسقدر فایدے اور سودمندی ہو رہی ہے گویا ایک صورت بن گئی
اب ساری دنیا کی معلومات کا وسیلہ اور ذخیرہ ہے۔

ٹیلیگراف اور ہیلوگراف وغیرہ اور ریل نے ثابت کر دیا ہے کہ انسان کے اختلافات
خیالات نے کیا کیا سہل راہیں اور عجیب راہیں پیدا کی ہیں۔

فصیح الکلام لوگوں اور شاعروں نے اختلاف آرائے اور خیالات سے جن جن
باریکیوں اور نکات کو پیدا کیا ہے کیا دُنیا اُنکی محنتوں کو شکوری کی نگاہوں سے نہیں

دیکھتی - اگر اُنمیں یہہ قوت اختلافیہ نہوتی تو اسقدر باریکیاں اور لطایف کہاں سے وجود میں آتے اور دُنیا کو کب معلوم ہوتا کہ فصاحت اور بلاغت کی یہہ حالت ہوا کرتی ہے - یہہ تمام علم بیان اور معانی اسی اختلافات خیالات کا اثر بلیغ ہے - سعدی اور بھوسر - حافظ اور شیکسپیر - سودا - میر - غالب - داغ - امیر - حالی - آتش - ناسخ - ... ذوق کے کلام اور ملفوظات میں جو جُدا جُدا چاشنی پائی جاتی ہے اور انمیں جو الگ الگ مزے اور لطف ہیں وہ کیوں ہیں اسی بدولت اور اسی باعث کہ اختلاف خیالات کی کل چل رہی ہے - اگر ان ناموروں اور بزرگوں کی طبیعت اور مذاق یکساں ہوتا تو کیا ان لطائف اور باریکیوں اور فصاحت و بلاغت کے لطف حاصل ہو سکتے - اگر باغ اور گلستان میں ایک ہی طرح اور ایک ہی رنگ و صدا کے جانور اور پرندے ہوں - تو انکی آواز خوش نہیں معلوم ہوگی - بلکہ ایک وقت میں اُن سب کا ایک ہی بول بولنا گراں بھی گذرے گا - دُنیا کیوں اچھی معلوم ہوتی اور اسے انسان کیوں چاہتا ہے اسواسطے کہ اسمیں مختلف مزے اور مختلف لطف ہیں - اگر غذا اور اُن کی حالت ایک ہوتی تو شاید انسان انکو پسند بھی نہ کرتے - ذائقہ اور مزونکا مختلف ہونا انسان کو زیادہ تر شایق بناتا ہے -

انسان کی طبیعت بھی ایسی واقعہ ہوئی ہے کہ وہ اختلاف کو طبعاً پسند کرتا ہے وہ ایک ہی کپڑہ پہن اور ایک ہی کھانا کھا سکتا ہے لیکن اُسکی حالت اور طبیعت ہر وقت جدت کو چاہتی ہے - سچ ہے "کل جدید لذیذ" ... جدت پسند ہی نہیں بلکہ فاعل جدت بھی ہے اُسکی طبیعت جدت کو پسند ہی نہیں بلکہ جدید اشیاء اور جدید صورتوں کو پیدا اور ایجاد بھی کرتی ہے اور ہر وقت اسمیں لگی رہتی ہے کہ کوئی تازہ صورت ایجاد اور اظہار ہو - انسان کے تمام کارنامے اس پر شہادت اور گواہی دیتے ہیں - اور دُنیا کے ہر ایک کام سے اس شہادت اور گواہی کا پتہ ملتا ہے اگر یہہ کہا جائے کہ انسان کی

یہ جدت پسندی بلا اس اختلاف کے ہو سکتی ہے تو یہ ناممکن ہے۔ اس اختلاف
سے ہی اس کے دل میں جدت کا خیال پیدا اور متموج ہوتا ہے اور اس اختلاف سے
ہی وہ اس عروج کو پہنچا ہے۔ انسان کے سوشیل خیالات اور تہذیبی نمونوں اور
امور معاشرت نے اس اختلاف خیال سے جو عروج پکڑا ہے وہ نمونوں اور
حالت سے ہی ظاہر ہے۔ اگر جانوروں اور دیگر حیوانات اور انسانوں کی حالت
کا آپس میں مقابلہ کیا جائے تو ثابت اور ظاہر ہو جائیگا کہ اس دنیا میں انسان نے
اپنی ہمسایہ مخلوق اور ہستیوں کے مقابلہ میں کیا کچھ ترقی اور عروج اور بلندی
حاصل کی ہے۔ جانور وغیرہ حیوانات تو اپنی اسی حالت میں ہیں اور انسان ترقی
کے آسمان پر گرج رہا ہے کیا انسان کی وہی حالت ہے جو بابا آدم علیہ السلام
کے وقت میں تھی۔ کیا دنیا میں انسان اس معمولی حالت سے رہتے ہیں کہ جو داؤد یا
سلیمان کے زمانوں یا مہا دیو اور رام چندر کے دنوں میں تھی کیا ان کی حالتوں
میں کوئی قابلِ حیرت تبدل نہیں ہوا ہے۔ ایسا یورپ ہی ہے جو پہلے دنوں
میں تھا کہا جائیگا کہ ہندوستان نے ترقی ہے یا تنزل حاصل کیا ہے اس کا کیا سبب
اور کیا باعث ہے یہی کہ خیالات کے اختلاف سے کام نہیں لیا گیا اور ان اختلافی
قوتوں کو مدت سے رائیگاں اور برباد کیا جاتا ہے۔ جس جس ملک اور جس جس قوم
اور جس جس خطہ میں ان اختلافی قوتوں سے انسان نے کام نہیں لیا درحقیقت
انہوں نے اپنی ترقی اور بلند پروازی کو اپنے ہاتھوں سے برباد کیا ہے۔ ہندوستان
والوں نے اپنی چالوں اور خیالات کو انہیں پایوں پر قائم رکھا جن پر ان کے
بزرگوں نے انہیں قائم کیا اور ٹکایا تھا بلکہ ان حالتوں سے بھی تنزل پیدا
کر لیا۔ کیا اس حالت میں اور اس پست ہمتی کی صورت میں ان کو کوئی عروج یا ترقی
ہو سکتی تھی۔ یورپ والوں نے تمام گذشتہ حالتوں کو خلاقی قوتوں کے دائرہ میں

ایک مسرتوم حد ہے لیکن یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ حد اُسی پیمانہ اور حد تک ہے کہ جو قدرتی حجاب اور غلاف میں مخفی ہے اُس سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک قدرت نے ایک وجود اور ایک طاقت میں ترقی اور عروج کے مادہ کو رکھا ہے وہیں تک جسمانی قوتوں کی ترقی اور رسائی ہو سکتی ہے اُس سے بڑھ کر ہرگز صعود نہیں ہو سکتا گو ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ حد قدرتی کہاں اور کس موقعہ پر جاکر ختم ہوتی ہے اور اُس کا فاصلہ اصلی اندازہ میں کس قدر ہے۔ لیکن اسقدر تو کہہ سکتے ہیں کہ شاید ہمارے اوہام ان تک کسی روز کو رسائی حاصل کر لیں اور یہ کہ آخر قدرت نے کوئی نہ کوئی تو اُنکی حد اور فاصلہ رکھا ہی ہے کیونکہ قدرت کے ذمہ یہہ بھی فرض تھا کہ اشیاء اور اجسام کی حدود ترقیات کو ایک خاص حد میں قایم اور محدود کرے۔

اگرچہ ہم اُن حدود فاصلہ تک پہونچیں یا نہ پہونچیں مگر اس میں کیا شک ہے کہ وہ حدود ضرور ہیں اور قدرت نے اُنکو ایک دایرہ میں محدود کیا ہے عدم علم شے سے یہہ لازم نہیں آتا کہ وہ وجود ہی نہیں ہے وجود تو ضرور ہے لیکن ہمیں ایسا ذریعہ کافی اور وسیلہ کامل نہیں ملتا کہ اُن تک رسائی کے ساتھہ ہماری رسائی ہو سکے۔ زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ موجودہ حالتوں سے بھی وہ ایکدوسرے زمانہ میں اور ترقی اور بلند پروازی کرے۔ مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ترقی اُن مقادیر اور حدود سے بڑھ کر ہوگی کہ جو قدرت نے اجسام یا طاقتوں میں ودیعت کر رکھی ہیں ہے۔ یہ بحث کہ قدرت نے ضرور اجسام میں مادہ ترقی کو ایک پیمانہ اور مقدار پر رکھا ہے دلایل کی محتاج نہیں ہے کیونکہ اسمیں کیا شک اور شبہہ ہے کہ قدرت نے ہر ایک خلقت کو ایک استعداد اور مادہ سے مزین کیا ہے۔ اور وہ مادہ دوسروں سے یا تو مساوی ہوتا ہے اور یا کم و بیش اُس کی کوئی نہ کوئی حالت ضرور ہوتی ہے۔ یہی حالت ثابت کرتی ہے کہ اُس کے واسطے ایک خاص مقدار اور پیمانہ ہے نہ تو اُس سے زیادہ عروج یا صعود کر سکتا ہے اور

نہ کہ اگر کوئی دوسری طاقت چاہے کہ قدرتی مقدار یا وزن سے زیادہ ترقی
اور بلند پروازی کرے تو یہ ناممکن ہی نہیں بلکہ ایک محال امر ہے یہ بات کہ ہم
اس امر کا اقتباس کیوں کر کریں کہ وہ مقدار یا وزن کہاں جا کر ختم ہوتا ہے بلاشک
ایک مبہم و پوشیدہ امر ہے۔ ہم کبھی بھی حکماً نہیں کہہ سکتے کہ فلاں طاقت کا مقدار
یا وزن ترقی اُس درجہ تک ہے اس امر کے علم اور اقتباس واسطے ہمارے ہاتھ
میں کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اب حالت میں یہ نہیں لازم ہے کہ ہم ترقی کی تلاش میں
رہیں جہاں تک ترقی کا مقدار اور وزن ہے وہ ضرور ظہور میں آئے گا۔

اختلاف خیالات اور ترقی کا زمانہ
اور ترتیب

قدرت نے جیسے ہر ایک خلقت کو ترقی کا ایک مقدار اور وزن دے رکھا ہے ویسے
ہی اُس کے واسطے ایک زمانہ بھی مقرر اور موزوں کر رکھا ہے کوئی ترقی یا اُس ترقی
کا ظہور سوائے اس کے نہیں ہوتا کہ وہ مقررہ زمانہ آجائے۔ جن امور اور جن مسائل
سے اس زمانہ میں دنیا میں قسم قسم کی ایجادیں اور اختراعیں ہو رہی ہیں اگر ہم خیال کریں تو
انکا وجود بہت مدت سے پایا جاتا ہے اور لوگوں کو انکے وجود اور ہستی سے آشنائی
اور واقفیت بھی کسی نہ کسی قدر ضرور رہی ہے مگر انکی وہ باریک کیفیتیں اور نکتے جو آج
علوم اور فنون کی امداد خاص سے ظہور میں آئے ہیں اسی زمانہ میں معلوم اور ایجاد
ہوئے ہیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکی یہ عجیب کیفیتیں اور باریکیاں اسی زمانہ
سے خاص تھیں جب تک یہ زمانہ نہ آتا تب تک انکا ظہور مشکل تھا۔

اگر موجودہ دنیا کے حالات کو تاریخی نبوتوں یا مذہبی صحیفوں سے دیکھا جائے تو معلوم

ہو جائیگا کہ اُن زبانوں میں اکثر ایجادیں دُنیا میں ہوئیں اور وہ مدت تک اُس درجہ سے استعمال میں آتی رہیں پھر اُن پر ایک زمانہ آیا کہ اُنمیں مابعد کی نسلوں نے کچھ تراش خراش اور قطع برید کے پھر اُس حالت پر بھی مُدتوں تک عمل ہوتا رہا پھر ایک اور زمانہ آیا۔ اُس میں اُنکی بالکل کایاپلٹ ہوگی۔ یہاں تک کہ اُن ایجادوں کو اخیر پر ایک ایسی حالت حاصل ہوئی کہ تمام دُنیا میں اُسیکو کافی اور اتم سمجھا گیا یہ زمانہ گویا اُن ایجاد کے واسطے ایک آخری زمانہ تھا اور یہی وقت قدرت کی حالت سے مقرر تھا پہلے وقت کے لوگوں نے یا تو اس آخری صورت اور ترقی پر غور نہیں کی اور یا اُنہیں یہ راہ سوجھی نہیں اور یا اسکی اُنہیں کوئی ضرورت اُسوقت نہ تھی کوئی صورت ہو بہرحال یہ ماننا پڑیگا کہ ہر ایک ترقی اور عروج کے واسطے ایک خاص زمانہ ہے۔ دُنیا میں حکیم اور فلاسفر تو سرے سے ہی ہوتے آئے ہیں۔ ارسطو۔ سقراط۔ افلاطون۔ فیثاغورث اور بطلیموس وغیرہ کچھ کم عقیل اور کم فہیم نہیں گذرے۔ ہزاروں قوانین اور حکیموں کا اُنہیں سے نشو ونما ہوئے ہے اور صدہا مسایل حکمی میں ابتک اُن بزرگواروں کو جگت اُستاد مانا جاتا ہے لیکن اُنسے بھی بعض امور اور اصول حکمیہ کا رہ جانا یا اُن کا اُنسے کام نہ لینا ظاہر اور ثابت کرتا ہے کہ درحقیقت ہر ایک صورت کے واسطے قدرت نے ایک وقت اور ایک زمانہ مقرر اور قایم کر رکھا ہے جیسے ترقیات کے واسطے ایک زمانہ مقرر ہی ہے اظہار خیالات یا اختلاف خیالات کے واسطے بھی ایک زمانہ موضوع اور مقرر ہے خیالات کا اظہار اور اختلاف اُنہیں زمانوں اور اُنہیں اوقات میں ہوتا ہے کہ جن زمانوں اور جن اوقات سے وہ ترقیات مخصوص ہیں۔ مقرر۔ زمانہ یا وقت کے ساتھ قدرت نے ان دونوں شقوں میں ترتیب کو بھی ملحوظ رکھا ہے زمانہ میں جسقدر ترقیات اور امور اختلاف خیالات کا اظہار ہوتا ہے وہ سب ہمیشہ ایک قدرتی بندش اور ترتیب سے ہوتا ہے۔ زمانہ اور اجسام

زمانہ کے اجزا- اور افراد میں یہ ترقی ہمیشہ یکساں طور پر تمام افراد اور تمام اجزا میں ساوی اور مثل نہیں ہوتی - قدرتی اور ترتیبوں سے اسکا نفوذ مختلف طور پر ہوتا رہتا ہے - اگر ہم نظر سے غور سے دیکھیں گے تو ثابت ہو جائے گا کہ ترقیات یا اختلاف خیالات کی صورتیں اور نفوذ یکساں ترتیب اور یکساں حالت سے نہیں ہے کبھی ایک طرف ہوتا ہے اور کبھی ایک طرف کبھی ادہر اور کبھی اُدہر جیسے موجوں اور پانیوں کا رخ ہمیشہ یکسو ہی ہوتا ہے اسیطرح پر ترقیات کا حال ہے -

لوئی چہاردہم بادشاہ فرانس کے عہد اور وقت میں اہل فرانس کا علم ادب بڑے زوروں اور عروج پر تھا اور اس علم کے ماہرین اور کاملین کہکشاں کے تاروں کی مانند فرانس کی ترقی کے آسمان پر تاباں اور درخشاں تھے لیکن باوجود اس کے آزادی پر نحوست اور زوال آرہا تھا - امیروں کی جوانمردی اور مروت روز بروز گھٹتی جاتی تھی اور مزاجوں میں عیش پرستی کی عادت اور ترقی تھی - جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار فرانس میں ایک سخت اور خوفناک تہلکہ کی بُنیاد قایم ہو کر رہی دُنیا کے ابتدائی زمانوں میں انسانی جماعتیں روحانی امور میں زیادہ تر دلچسپی ظاہر کرتی تھیں مگر اُس کے بعد انسانی نسلوں پر ایک ایسا زمانہ آیا کہ جہالت میں طبیعتوں کی مناسبتیں بڑھ نے لگیں - علی ہذا القیاس اور امور پر مثالاً نظر کیجا سکتی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدرت نے ترقیات کے واسطے وقت اور ترتیب کو خاصتاً ملحوظ رکھا ہے اور انہیں معلوم شرطوں سے خیالات کا اختلاف ظہور میں آتا اور اُس سے لوگوں اور انسانوں کو فایدہ اُٹھانے کا موقعہ ملتا ہے ۔

اختلاف خیالات اور اولو العزمی میں نسبت

اس معان نظر سے پایا جاتا اور ثابت ہوتا ہے کہ اختلافات خیالات اور اولو العزمی

میں ایک باریک نسبت ہے خیالات میں تموّج اور اختلاف اُسی حالت میں پیدا ہوسکتا ہے کہ جب انسان کے دل میں اولوالعزمی ہو جب تک یہ نہ ہو کوئی اختلافی قوت نہیں پیدا ہوسکتی۔ جب چند خیالات یا واقعات انسان کے سامنے پیش ہوں تو اُس وقت یا تو وہ اُن کو بلا کسی مزید غور کے قبول کرے گا اور یا اُنکی بابت غور اور نظر کریگا۔ غور اور نظر کرنا ہی ایک اولوالعزمی ہے اور یہ اولوالعزمی اُس وقت انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے کہ جب وہ اپنی طبیعت یا ہمت کو اندروں سے ایک مزید راہ پر بیجانے کی کوشش کرتا ہے۔ اولوالعزمی انسان کا ایک ایسا خاصہ ہے کہ دنیا کے بہت سے امور کیا اکثر حصہ دنیا کا اسی کی بدولت خوبی اور حسنِ تمام کو پہونچا ہے۔ اگر یہ خاصہ انسان کی طبیعت میں نہ ہوتا تو اُمید نہ تھی کہ اسقدر ترقیات کے انبار انسان کے ہاتھ آتے یہ قوت انسان کو جدت کی طرف ابھارتی اور آمادہ کرتی ہے کہ آگے کو بڑھے مگر یہ شروع اور ظاہر اُسیوقت ہوتی ہے کہ جب اختلاف خیالات کی صورت ظہور میں آوے۔ جب تک انسان کے دل میں یہ حرکت پیدا نہ ہو کہ میں فلاں تحقیق یا خیال کے علاوہ ایک اَور کام یا ارادہ کروں تب تک اُس کی ذات میں اولوالعزمی کیونکر پیدا ہوسکتی ہے۔ اولوالعزمی کیا ہے دراصل ایک اختلاف خیالات ہے۔ اختلاف خیالات کیا ہے ایک اولوالعزمی ہے ان دونو میں ایک باریک نسبت ہے اور وہ اُن کے شروع ہونے سے ہی ظاہر اور پیدا ہوتی ہے اگر ہمارے سامنے یہ خیال پیش کیا جائے کہ زمین متحرک ہے اور آسمان غیر متحرک۔ تو اگر ہم اس کو اپنے معمولی مذاق کے موافق جسکو دوسرے لفظوں میں (**علمی قناعت کہنا چاہئے**۔) انمیں سے ایک شق کو تسلیم کرکے خاموش رہیں تو وہ ایک صبر یا صورت قناعت ہوگی اور سمجھا جائے گا کہ ہمکو معاملات کے طول دینے اور تحقیق کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ اور اگر ہم ان میں سے ایک

ایک خیال یا ایک شق کو لے کر یوں کہیں گے کہ نہیں زمین متحرک نہیں یا ہے اور اس پر خیالات کا اظہار کرنا شروع کریں اور ایک شق پر محققانہ بحث کریں تو یہ صورت ایک اولوالعزمی کی ہوگی۔ کیونکہ ملزم کے اظہار کی صورت یہی دریافت مزید اور تحقیق ہے ایک فلاسفر کہتا ہے کہ جب انسان ہر ایک معاملہ میں راضی برضا ہوجاتا ہے۔ حالانکہ اُس کا تعلق کامل خود انسان سے ہی ہوتا ہے تو وہ گویا اپنی اولوالعزمی اور اُس کے نشو ونما کو غارت کرتا ہے۔ اختلاف اور اعتراض ہی دنیا میں وہ ایسی قوتیں ہیں کہ معاملات اور امور کو اوج ترقی پر لے جاتی ہیں تسلیم اور رضا ضرور عمدہ صفتیں ہیں مگر جہاں انکی ضرورت نہیں وہاں ان سے کام لینا سخت غلطی ہے اگر طالب علم اُستاد سے اعتراضی امور تو نیں سوالات کامل نہیں کرائے گا اور اُس کی قوت میں اختلاف نہیں ہوگا تو وہ پورے طور پر علمی مراتب پر صعود نہیں کرسکیگا۔ اگر آنکھ کو انسان ایک ہی طرف لگائے رکھے اور اُس یکسوئی میں فرق نہ آئے تو بلاشک وہ آنکھ دوسری حالتوں اور نظاروں سے تحقیقاً اپنے آپ کو محروم کرلے گی۔ اگر ہاتھ کو حرکت نہ دیجائے اور وہ ایک ہی جانب جھکا رہے تو یقیناً وہ سوکھ جائے گا اور اُس میں سے اعصابی طاقتیں سلب ہو جائینگی ٭

دیکھو فالج کا مادہ ایک ہی جانب گر کر کیا فساد مچاتا اور انسان کو کسی حالت پر جا پہونچاتا ہے اگر وہ منتشر ہو کر اِدھر اُدھر گرے تو شاید اسقدر تکلیف اور تقید نہو۔ ایک امر یا ایک اصول کو منداً نہ تسلیم کرنے کے واسطے اعتراض کرنا بے شک بُرا ہے۔ مگر تحقیقات اور مزید اطمینان یا ادراک کیخاطر اختلاف یا اعتراض کرنا کوئی بُرائی یا نقص نہیں رکھتا۔ اس صورت میں کمالات اور جدید نکات کا اظہار اور

استہمار ہوتا ہے اور مخفی کیفیتیں کھلتی اور عام طور پر ظہور تیں آتی ہیں۔

اختلاف خیالات کے اظہار کا طریقہ

یہ امر تو ثابت ہو لیا کہ خیالات میں اختلاف کا ہونا ضروری ہے اور یہ روکنے سے روک نہیں سکتا اور نہ اُس کو خود ہی روکا جا سکتا ہے جب تک پہلے طبائع کے اختلاف کا بندوبست نہ کیا جائے تب تک یہ ورہ بند نہیں ہو سکتا اور اسمیں دُنیا کی ترقی اور عروج کی صورتیں ہیں اب ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اختلاف کی صورتوں میں یہہ اظہار کیونکر اور کن شرائط سے ہونا چاہیئے۔ اور کن صورتوں میں یہ مستحسن طریقہ نازیبا اور نامرغوب ہو کر نقصان رسان ثابت ہوتا ہے۔

یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب کوئی نیا خیال یا نئی صورت ہمارے سامنے پیش ہوتی ہیں صرف خیال کو ہی سُننا یا اُس صورت کو دیکھنا چاہیئے یہ ڈیوٹی نہیں ہونی چاہیئے کہ اُس خیال کے سوتوں اور درونکو پہلے سے ہی دیکھنا شروع کیا جائے کیونکہ اگر ایسا عمل شروع کیا جائے گا تو ضرور دلوں میں بعض تعلقات اور رشتوں اور نسبتوں کے سبب ایک خاص میلان اور اجتناس پیدا ہوگا اور اُسکی اچھی یا بُری تاثیر اُس خیال یا صورت پیش آمدہ پر پڑے گی اور وہ تاثیر انسان کو منزل پر پہونچنے سے روکے گی۔ یہ قاعدہ اور دستور کی بات ہے کہ جب اُس صورت کو دیکھا جاتا ہے کہ جہاں سے کوئی خیال یا مدت ظاہر ہوئی ہے تو ہمیشہ اُس کی عام اور خاص حالتوں اور تعلقات پر نگاہ پڑتی ہے اور وہ نگاہ چند خصوصیتوں کو اپنے ساتھ لاکر تخیل اور ادراک میں ایک مزاحمت اور مانع پیدا کرتی ہے جب

ہم یہ سنتے ہیں کہ یہ خیال ایک برگزیدہ شخص کے موہنہ سے نکلا ہے . . . .

. . . . . . تو اُس کی وہ برگزیدگی ضرور ہمیں آمنّا و صدقنا کہنے پر

مایل کرتی ہے اور اگر اُس پر ہمارا عقیدہ نہیں ہے تو وہ نام سنتے ہی ہم یک سوئی

سے اعراض یا انکار بر اڑ بیٹھتے ہیں ۔ شہرت ۔ تقدیس ۔ تذلیل ۔ عمومیت ۔ اور

خصومیت ہمیشہ انسان کے خیالات اور قوائے اور راکیہ پر ایک خاص اثر کرتی اور

ڈالتی ہے جب قانون شاہی ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو گو ہم اُس کی بابت

بول سکتے ہیں اور شاید ہمارا بولنا صحیح بھی ہو مگر ہمیں جبر و قوت شاہی اس راہ سے

روکتا ہے اور ہم ایک خاموش کے ساتھ تسلیم کرنے میں یہی حال اور تاثیرات کا ہے

ان سب نقصوں کے روکنے کے واسطے آسان اور چلتی تجویز یہی ہے کہ محض خیالات

اور صدر پر ہی غور اور بحث کیجائے ۔ لبقتوں اور مراتب کو ساتھ نہ لیا جائے اس طریق

عمل سے سلامتی کی اُمید اور صحت کی توقع لازمی ہے ۔

یہ اعتراض کیا جائیگا کہ ہمیشہ خیالات کی قدر اور وقعت قایل کے لحاظ پر ہوا کرتی ہے

کیا اُس اصول کو ردی سمجھا جائے گا ۔ نہیں ہماری بحث کا یہ ماحصل یا نتیجہ نہیں ہے بلکہ

اصل مدعا اُس کا یہ ہے کہ غور کرنے کے وقت ان امور کو قطعاً اور اصولاً ساتھ نہ رکھا جائے

مثلاً ایک خیال پر جدّتاً غور کرتے ہوئے اگر یہ اصول قایم کیا جائے کہ فلاں شخص کا خیال

ہمیشہ درست ہوا کرتا ہے اور اُس کے خیالات اور اصولوں سے انکار کرنا فضول اور

لغو ہے تو کیا یہ اُمید ہوسکتی ہے کہ ہمیں اس اصول اور حکم سے مزید اوراک یا تحقیقات

کا موقعہ ملیگا ہرگز نہیں ۔ بیشک ہر ایک موقر ذات وقر کے لایق ہے اور بیشک خیالات

کو ذات سے ایک نسبت ہے مگر اس نسبت کو قطعاً اور اصولاً ہمراہ رکھنا سخت معیوب

اور برا ہے ۔

بعض وقت یہ اصول بھی مدنظر رکھا جاتا ہے کہ اس حصّہ خیالات میں نہ تو بولنا چاہیئے

ہے اور نہ جدید رایوں یا خیالات کے اختلاف سے مقابلہ کرنا لازم ہے۔ یہ اصول خاص صورتوں میں شاید ضروری اور نفع رساں ہو مگر عام صورتوں اور عام حالتوں میں یہ اصول مدنظر رکھنا قطعاً ممنوع ہے حکومتوں کے اصولوں پر ہم کچھ نہیں کہہ سکتے مگر بالکل بند اور خاموش بھی نہیں رہ سکتے۔ جہانتک ضرورت اور تہذیب اور امن کی صورت اجازت دیتی ہے۔ ایسی صورتوں میں بھی دست اندازی ہوسکتی ہے۔ حقوق اور انصاف کی بابت بالاشک تہذیب اور امن کے ساتھ بحث کیجا سکتی ہے۔ کیونکہ کوئی مہذب اور منصف حکومت حقوق اور انصاف طلبی سے رعایا برایا کو نہیں روکتی۔

مذہب بھی ایک ایسی بیچدار راہ ہے کہ انسان اُس کے سامنے بھی جرات سے چل نہیں سکتا۔ اور نہ کھلکر کچھ کہہ سکتا ہے۔ بہتیری طبیعتیں ہیں کہ مذہبوں کے خلاف واقعہ ہوئی ہیں مگر وہ جرات نہیں کرسکتیں اور نہ اس راہ کو مٹا سکتی ہیں گو انکا یہ رویہ اور روش پختہ اور مدلل نہیں ہے مگر آخر ایک روش تو ہے مذہب کا ایک اصول خدا کا وجود ہے اسکی نسبت تو شاید سوائے دہریوں اور ناستک مت والوں کے (وہ بھی الفاظ میں طبیعت میں نہیں) اور کسیکو خلاف نہیں اس کے سوائے تحقیقات کی حالت میں ہر ایک شخص مذہب کی نسبت بھی اختلاف کرسکتا ہے اور ایسا اختلاف کیا گیا ہے اور اس اختلاف سے دُنیا اور انسانوں کو فائدہ بھی بہت ہوا ہے مذہب تو دُنیا میں بہت سے ہیں اور ہر ایک کو سوائے ذات خدا کے اور اکثر امور میں اختلاف ہے لیکن یہ مذہب ایک صورت یا ایک سطح پر تو اسی حالت میں کرسکتے ہیں کہ جب بذریعہ اختلاف خیالات کے انکی تحقیق اور تدقیق عمل میں آئے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ دنیا کی بہتری اسی صورت میں متصور ہے کہ جب سب مذہبی صورتیں اور خیالات یکسان ہوکر ایک ہی پٹری پر آجائیں گو اسکا وجود وہم ہی ہو اور گو یہ صورت ظہور میں آئے یا نہ آئے اور اسکا

زمانہ کوئی ہی ہو۔ مگر ایسی ضرورت ضرور ہے۔ اس کامل اور ظہور رساتی حالت میں ہو سکتا
ہے کہ تحقیق اور تدقیق ہو۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ انسان کو مذہب کے سامنے بولنا تک
جایز نہیں جو کچھ اُسے دیا گیا ہے اُسے بلا چون و چرا قبول کرنا لازم ہے یہ ایک جبر
اور ایک سینہ زوری ہے جو مذہب ایسا کہتا ہے وہ خود کمزور حالت میں ہے۔ انسان
تحقیق اور تدقیق کے لحاظ سے ہر وقت ایک مذہب کے سامنے بول سکتا ہے جب
تک انسان مذہب کے ساتھ تحقیقی مقابلہ نہیں کریگا تب تک اُسے ذاتی یقین کیونکر
ہوگا اور تب تک وہ ضرورت جو اوپر ظاہر کی گئی ہے اور جو واقعی ضروری ہے وہ کیونکر
حاصل ہوگی بلاشک بدنیتی سے مذہب کا مقابلہ کرنا مذموم اور بُرا ہے مگر جب نیک نیتی سے
مقابلہ کیا جاتا ہے تو اُس میں کیا قباحت اور کیا برائی۔ قدرت نے انسان کو کہیں یہ
مخالفت نہیں کی ہے کہ مذہب تمہیں ان امور سے روکتا ہے۔ جس پاک اور مقدس
نام کی بدولت دُنیا میں مذہبی قومیں موجود ہیں جب وہی ذات کمال وسعت سے اپنی
ذات کی بابت غور اور تحقیق کرنے کو ضروری اور لازمی بتاتی ہے تو کیا اُس کے نام
بیہودوں مذہبوں کی بابت انسان کا نفس ناطقہ بند کیا جا سکتا ہے اگر یہی خیال درست
اور صحیح ہے تو پھر اُس ذات اور ہستی کی بابت بھی انسان کو کبھی اور کسی حالت میں
منہ نہیں کھولنا چاہیئے۔ نہیں نہیں یہ ہماری غلطی ہے وہ ذات اور ہستی برابر کہہ
رہی ہے کہ مجھے دیکھو اور آزماؤ یہی حکم ہمیں مذہبی میدان میں برتنا چاہیئے۔ ہاں اُس
طریقہ اور اُس اصول سے کہ جو تہذیب اور ایک اصول لازمی سے گرا نہ ہو۔ بے تہذیبی
اور تعصب ہر حالت میں تحقیقاتی افراد کو ظلمات میں لیجاتا ہے اور انسان پر اُن راہوں
اور شوارع کو بند کرتا ہے کہ جو برکت اور صداقت کی راہیں ہیں۔ انسان دُنیا میں خریدار
ہے خریدار کو ہر ایک سودا اور شے جانچ اور تول کر لینا چاہیئے۔ جانچو اور تولو مگر دوکاندار
سے دنگہ اور لڑائی نہ کرو۔ خریدار موتی اور لعل بیش بہا کو ایک ہی ہاتھ سے خریدتا ہے

دونوں کی خرید میں جانچ کی ضرورت ہے ۔

ہمکو ہمیشہ یہ امر مد نظر اور ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ خیالات میں اختلاف صرف اس نظر اور نہ
غرض سے ہو کہ کوئی جدید حقیقت کھلے یا ایک امر میں صداقت کی مضبوطی اور پختگی آ جائے
اس نظر سے خیالات میں اختلاف نہیں چاہیئے کہ دوسرے کے ساتھ ضرور ہی ہمکو خواہ
مخواہ اختلاف کرنا ہے بعض لوگ اس امر کو فرض سمجھتے ہیں کہ اگرچہ دوسروں کے خیالات
صحیح اور درست ہی ہوں اُنکو کسی صورت میں تسلیم نہیں کیا جائے گا یہ طریق عمل نہایت
ہی مخدوش اور نقصان رساں ہے ۔ جیسے خوشامد سے غلطی اور تعتیم کو پا کر بھی خیالات
کی تصدیق کرنا ناقص الاثر ہے ایسے ہی خیالات کا خواہ مخواہ ہی رد کر دینا اور اُنپر دلایل
لانا فضول اور ردی ہے بعض لوگوں کو چند دلایل کے لانے سے یہ گمان ہو جاتا ہے کہ
ہمیں ان خیالات یا جدید صورتوں یا اصولوں سے اختلاف کا حق حاصل ہے یہ اُنکی کمزوری
ہے کوئی ایسی صورت نہیں کہ جسپر چند چھوٹے سچے دلائل اور براہین قایم نہ ہو سکتے ہوں
ہر ایک نمونے یا صورت اعتراض کی بابت دلایل کا مجموعہ پیش کیا جا سکتا ہے لیکن
اُس مجموعہ کے پیش کرنے سے کیا فایدہ ہو گا کہ جو صرف ایک نام کا ہی مجموعہ دلایل ہے
جھگڑا اور قضیہ دود کی طرح بہت بڑھ سکتا ہے جسقدر اُسے بڑہاؤ بڑہتا جاتا ہے آگ
میں آخیر تک معین ہی رہے گا ۔ لیکن کیا وہ اصل دود ہو گا ہرگز نہیں وہ تو ایک گولا
پانی ہے یہی حال ایسے مجموعونکا ہے ۔

اختلاف خیالات کو مقابلہ میں رکھ کر وزن کرنا مناسب ہے اور دراصل دیکھو تو دوسرے
معنوں میں اختلاف خیالات کی صورت ایک مقابلہ اور قیمت طلبی ہے ایک خیال کے اظہار
کے بعد جب دوسرا خیال اُسی بارے میں ظاہر کیا جاتا ہے تو گویا وہ ایک مقابلہ ہے عام
طور پر اُس کی قیمت طلب کی جاتی ہے ایسا مقابلہ اور قیمت طلبی میں بیجا ضد کو دخل دینا ضروری
ہے ہرگز نہیں ۔ صحیح اور درست مقابلہ وہی ہو گا کہ جس میں ضد اور رعایت نہ ہو گی

اس مشہور قول بزرگ "نیکی کُن بدریا انداز" ہر ایک خیال کو عام میں کھولکر رکھنا ہی کافی ہے اگر وہ اچھا ہے تو ضرور قبول کیا جائے گا۔ اور اگر اس میں صداقت نہیں تو اس کی کوئی قدر نہیں ہو سکتی طبیعتیں صراف واقعہ ہوئی ہیں ہر ایک خیال طبیعتوں کے بازار میں نکھرا اور پرکھا جاتا ہے خوبصورت کو یہ ضرورت نہیں کہ خوبصورتی کا اشتہار دے وہ خود بھی دو سو نکو اپنی جانب کشش کرتا ہے۔ بدصورتی لوگوں کو کبھ کر دور نہیں کرتی بلکہ لوگ خود بھی اس بدنظارا کو پسند اور قبول نہیں کرتے جو کھوٹا روپیہ ہوتا ہے وہ صدہا روپیوں میں سے بھی صراف کی نگاہوں پر چڑھ جاتا ہے زمانہ خود ہی صراف اور خود ہی منصف ہے وہ ہر ایک خیال اور ہر ایک صورت کو جانچتا اور پڑتال کرتا ہے وہ خوبی کو لیتا اور بدی کو رد کر دیتا ہے۔ گو بدیاں بھی پہلو بہ پہلو نیکیوں کے چلتی ہیں مگر کس حالت میں۔ دیکھنے والے کہہ سکتے ہیں کہ وہ حالت بہت ہی ندامت اور شکستہ دلی کی ہوتی ہے انصاف کی ترازو ایک ایمان اور سلامتی ہے ہمارے ہاتھ میں وہی ترازو کافی ثابت ہوگی۔

اختلاف خیالات اور عمل باہمی

اوپر کی سُرخیوں نے اس امر پا اس ضرورت کو ثابت کر دیا ہے کہ اختلاف خیالات ایک ضروری اور لاینفک امر یا خاصہ ہے اور یہ کہ ترقی دُنیا کے واسطے اس کا قایم رہنا یا رکھنا ضروریات اور ملزومات میں سے ہے اور اگر ہم چاہیں بھی کہ اس کا ازالہ ہو جائے تو یہ ایک مشکل ہی نہیں بلکہ محال بھی ہے کیونکہ جب تک طبائع کا اختلاف جو قدرت کیطرف سے ہے زایل اور دور نہ ہو تب تک اس اختلاف میں کمزوری نہیں آسکتی ہم اس معاملہ اور ازالہ میں جسقدر کوشش کریں گے وہ سب اخیر پر ناکارہ اور فضول ثابت ہوگی۔ قدرت ہماری مدد پر کبھی بھی آمادہ نہوگی اور نہ ہمیں ایسے اسباب اور وسایل کا قصد

نصیب ہوگا کہ جو اس راہ کا ضروری سامان ہے۔
انسانی جماعتوں میں اوّل تو خاص خاص ہی جماعتیں گروہ ہیں کہ جن میں خاص اصولوں کے لحاظ پر آپس میں تخالیف خیالات کا اظہار ہوتا یا کہا جاتا ہو کیونکہ اس کے واسطے تعلیم اور کثرت معلومات کی سخت ضرورت ہے اور یہ سرمایہ بعض کو ہی حاصل ہوتا ہے۔
ہمارے ہندوستان میں تخالیف خیال تو ہے مگر وہ اس وقت تک اس نیت پاس خیال سے نہیں کیا جاتا کہ اُس سے کوئی علمی یا جدید فائدہ اُٹھایا جائے بلکہ اُس کی نیت عموماً یہ ہوتی ہے کہ دوسروں کے خیالات کی جس طور پر ہو سکے تردید کیجائے اور لوگوں پر اس امر کو ظاہر کیا جائے کہ ہم بھی تردید کا مادہ رکھتے ہیں یہ وہی بد طریق عمل ہے کہ جسکو ہمنے اوپر سطروں میں ناقص قرار دیا ہے اس نیت سے دوسروں کے خیالات کو جانچنا اور دیکھنا کبھی مفید نہیں ہوتا یہ تو ایک وحشیانہ حملہ ہے حملہ میں نیکی - یا بدی کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ ایک حریف کو پورا کیا جاتا ہے - تخالیف خیال وہی عمدہ نتیجہ پر لائے گا کہ جو ایک اصول کے ساتھ ہوگا - جس میں تخالیف خیال کے اوّل ہی کوئی خاص خیال مرکوز ذہن نہ ہو چکا ہو - جب ہم اپنے دل میں قرار دے لیتے ہیں کہ یہ خیال ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے اور اس لائق ہیں کہ اس کو مانا جائے تو پھر کیونکر اُمید کیجا سکتی ہے کہ اُس کی بابت نیک نیتی سے مخالفت کیجائیگی - اور وہ مخالفت ہمیں اخیر پر کوئی علمی یا ملکی یا قومی اور ذاتی فائدہ پہنچانے کو کافی ہوگی -
ہندوستان میں اسوقت تھوڑی بہت تعلیم اور شایستگی کے پھیلنے سے لوگوں کے خیالات میں ایک تموج اور جوشش پیدا ہو چلا تا ہے لوگوں میں یہ روح حلول کرتی جاتی ہے کہ ہر ایک امر اور ہر ایک حقیقت کو خاص تحقیقات اور تخالیف خیالات کے بعد رد یا منظور کرنا چاہئے - یہ جوش اور تموج بہت اچھا ہے اور اس سے اُمید کیجاتی ہے کہ ہندوستان کی علمی اور ملکی یا سوشیل حالت نہیں چند دنوں کے بعد بہت بڑا انقلاب پیدا ہوگا - جب یوروپ کے ملکوں میں وحشت اور جہالت چھا رہی تھی تو اُنکی تبدیلی اور کایا پلٹ بھی انہی باتوں اور انہی خیالات

سے شروع ہوئی تھی۔ یوروپ والے تو اس اصول اور اس قاعدہ پر ایک سلامتی اور راستی سے چلتے رہے کوئی دوسرا خراب یا غیر مفید قاعدہ دخیل نہیں ہوا۔ وہ تو اسی نعم بان کے ذریعے سے دُور تک جا پہونچے اور اور آگے بھی دن بدن صعود کرتے جاتے ہیں لیکن اہل ہندوستان میں اس اصول اور اس قاعدہ کے ساتھ اور خراب اصول بھی شامل ہو کر اُنہیں ایک اور ہی کج راہ کیجانب کشاں کشاں لئے جاتے ہیں وہ خراب اصول اور کج راہیاں ثابت کرتی ہیں کہ ان کوششوں کا اخیر اچھا نہوگا۔ ہندوستان کے لئے اخیر یہی مثال قایم ہو جائے گی کہ "ایک گڑھے سے نکل کر دوسرے گڑھے میں جا گرے"۔ ہم اس امر کو مان لیں گے کہ ہندوستان کی سرزمین میں تخالیف خیالات کی تخم ریزی ہو رہی ہے اور خیالات میں مقابلہ کو پسند کیا جاتا ہے اگرچہ اب تک اُسکی حالت ایسی کافی اور وافر نہیں ہوئی کہ اُسے ایک کافی مقدار کہا جائے بہت کم اور تھوڑی حالت ہے مگر تاہم کہنے کو ایک حالت تنوع اور جوش خیالات کی ہے۔ مُلکی۔ قومی۔ سوشیل۔ اور علمی خیالات کا نشو و نما ہو رہا ہے اور لوگوں کی یہہ خواہش ہے کہ ان ضرورتوں اور معاملات میں تخالیف خیالات اور بحثیں ہو کر مختلف عُمدگیاں پیدا ہوں۔ اور ہندوستان کو بھی وہ مبارک حالت حاصل ہو کہ جو دوسرے مہذب مُلکوں کو ان امور میں حاصل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہہ خیال بھی مرکوز ہو رہا ہے کہ ہر ایک معاملہ اور بحث کو ایک جدی اور ذاتی نگاہ سے دیکھا جائے اُنہیں خیالات کو لیا جائے کہ جو اپنی طبیعت اور خیال کے موافق ہوں اُنہیں کی تعریف کیجائے کہ جو اپنی ذات کے لحاظ سے قابلِ تعریف ہوں اُنہیں کو عمدہ خیال اور عُمدہ تجویز کہا جائے کہ جو اپنے نزدیک عُمدہ ہوں۔ اُنہیں کی تائید کیجائے کہ جو اُن مونہوں سے نکلے ہوں جنکی ہم خود پہلے سے ہی تائید کرتے ہیں جو خیالات ان پابندیوں اور قیود سے جُدا ہوں وہ قابلِ تسلیم اور تائید نہیں ہیں اور نہ اُسکی تائید کی کوئی ضرورت ہے۔

یہ طریقہ جو اختیار کیا گیا ہے یہ ایک ایسا قبیح اور نقصان رساں طریقہ ہے کہ اس سے خوبی اور ترقی کی کوئی اُمید نہیں کیجا سکتی خوبی اور ترقی کی بجائے نقصانات اور زیان حاصل ہو رہے ہیں اور بجائے اُن فائدوں کے جو ایسی صورتوں سے مرقوم تھے گھر گھر میں فساد اور شرارت کو ترقی ہے۔ اور ایک معمولی اور عام صورت سے معاملات شروع ہو کر اُن مقامات اور اُن منازل تک پہونچ جاتے ہیں کہ جو ذاتیات کی راہوں سے گذر کر قوم اور ملک تک ثابت ہوتے ہیں ہندوستان میں اسوقت قول اور خیال کو نہیں دیکھا اور پھر کہا جاتا بلکہ قائل کی خصوصیات پر غور اور نگاہ کیجاتی ہے۔

خیالات کی خوبی اور اچھائی پر نظر نہیں ہوتی بلکہ صاحب خیالات کے درجوں اور رتبوں کو دیکھا جاتا ہے اُنہیں قبروں پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے کہ جنپر نام ایسی ٹاف اور نیلے پیلے غلاف پڑے ہوئے ہیں۔ اختلاف خیالات کے ساتھ ہی ذاتیات کی بحث بھی چھڑی جاتی ہے اور اس بحث کو صرف الفاظ میں ہی محدود اور محصور نہیں رکھا جاتا بلکہ ایک خاص دشمنی اور عداوت تک بھی نوبت پہونچ جاتی ہے۔ ایک خیال کے تخالف سے گویا تمام خیالات میں مخالفت ہو جاتی ہے اور تمام خوبیاں اور عمدگیاں جو ایک شخص میں پائی جاتی ہیں اور جنسے فریقین کو کوئی پرخاش نہیں ہونی چاہئے۔ ازالت اور بُرائی شمار ہوتی ہیں۔

اس سے کوئی شخص کسیکو کبھی بھی منع نہیں کر سکتا کہ وہ دوسرے کے ساتھ ایک خیال میں مخالفت اور جدل نہیں کر سکتا ہر ایک شخص کو اختیار ہے کہ دوسرے کا خیال اور سمجھ تاوقتیکہ اُس کی اطمینان اور تسلی نہ ہونے تسلیم کرے اور اُسکی تردید اور مخالفت میں براہین اور دلائل سے کام لیوے یہ جایز حقوق ہیں اُنسے کوئی شخص منع نہیں کیا جا سکتا کوئی خیال ایسا جابر اور قاہر نہیں ہے کہ وہ حکومت سے اپنی ذات کو منواتا ہو عقل اور شعور انسان کو اسواسطے دیا گیا ہے کہ ہر ایک خیال اور ہر ایک کلیہ کو بحث اور تحقیق کے

بعد تسلیم کرے اگر تسلیمی وجوہات کافی نہیں ہیں تو اُس پر کوئی جبر نہیں صاف انکار کر سکتا ہے جو لوگ خواہ مخواہ ہی امور کو تسلیم یا اُنسے انکار کرتے ہیں اُنکا وہ عمل کسی حالت میں بھی درست نہیں ہے اور جو لوگ حکومت سے امور اور حقایق کو منواتے ہیں وہ دراصل ایک جابر قانون کی پیروی کرتے ہیں۔ حکومتوں کے قانون جبر اور اکراہ سے اپنا وجود منواتے ہیں لیکن اخلاقی اور سوشیل وغیرہ امور جبر اور اکراہ سے نہیں منوائے جا سکتے اور نہ اس جبر اور اکراہ سے کوئی فایدہ اور سہولت متصور ہے تمام معاملات اور تمام امور ایک کھُلی میدان تحقق میں پڑے ہیں اُنہیں تحقیقات کے ذریعہ سے تسلیم کرو اور تحقیقات سے ہی اُنکی تردید یا تائید ہونی چاہیئے نہ کہ ذاتی عناودں اور بغضوں کی آڑ میں۔

اختلاف خیالات کی حالت ایسی ضعیف حالت نہیں ہے کہ وہ اکراہ اور نفرت سے رُک جائے گی اور نہ انسان اُس کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ جب خدا کے حکموں اور قدرتی مجبوریوں سے لوگ اکراہ اور انکار کرنے کو تیار ہیں تو پھر انسانی خیالات کو یک سوئی اور عام قبولیت کیحالت کیونکر مل یا نصیب ہو سکتی ہے۔ کوئی ایسا بھی انسان دُنیا کے پردہ پر ہے کہ جسکی کُل باتوں یا کُل خیالات سے لوگوں نے یکدم اتفاق کر لیا ہو اور جسے بلا چون وچرا تسلیم کیا گیا ہو نہ تو موجودہ صورت ایسی حالت کو پیش کرتی ہے اور نہ تاریخی صفحات ایسے انسان کا کوئی نشان بتاتے ہیں بڑے بڑے باکمال لوگونکے خیالات سے بھی جمہور کو اختلاف رہا ہے اور یکسوئی سے اُنکو بھی تسلیم نہیں کیا گیا۔ ایک بازار میں مختلف سودے ہوتے ہیں کیا ہر ایک خریدار سب کو ہی پسند کرتا اور خریدتا ہے نہیں خریداروں کی خریداری مذاق اور ضرورت پر موقوف ہے جب وقت آئے گا سب سودے اور سب اشیاء اُٹھ جائیں گی۔ یہ کیا ضرور ہے کہ ایک خیال کے اظہار کے ساتھ ہی لوگوں کو اُسکی تسلیم پر مجبور کیا جائے۔ وہ بازار

پسندیدگی میں رکھا گیا ہے حسب مذاق لوگ اُس کو وقت پر پسند یا رد کریں گے۔ یہ ایک قباحت اور برائی پیمیل گئی ہے کہ اگر ہمارا خیال جو خاص ہماری ہی طبیعت کا زائیدہ ہے کوئی تسلیم اور قبول نہ کرے یا اُس سے بوجوہات اختلاف رکھے "وہ اگرچہ وہ وجوہات بعد کو کیسے ہی پختہ یا کمزور ثابت ہوں" تو وہ ہمارا دشمن ہے اور اگر کسی دوسرے کا خیال ہمارے خیالات یا مذاق اور تحقیقات سے اور اور مختلف ہو تو ہم اُس کی ذات کے دشمن ہیں۔ یہ عناد اور یہ نفاق ہمارا محض خیالات میں ہی محدود اور محصور نہیں رہتا بلکہ اسکی زہریلی تاثیر میں خاص قایل کی ذات تک بھی پہنچ جاتی ہیں بحث تو اس میں ہے کہ فلاں قایل کا خیال صحیح اور درست نہیں ہے اور ہم اُسکو ان وجوہات اور دلایل سے نہیں تسلیم کرتے یا یہ کہ ہمارا فلاں خیال درست اور یقین کے قابل ہے۔ چاہیئے تھا کہ یہ بحث اس حد تک محدود رہتی مگر افسوس ہے کہ جسطرح ہیضے کی بیماری ڈاکٹر کے خیال میں تمام گھر کی صفائی کی موجب ہے اسیطرح ان لوگوں کے نزدیک ایک خیال کا اپنے یا دوسروں کے مخالف ہونا دیگر تمام بزرگیوں یا حقوق کا ہادم ہے بحث تو اسمیں تھی کہ زمین کو گردش ہے اور آسمان کو نہیں چونکہ ہمارے خیال میں آسمان کو ہی گردش ہے اور زمین کی حرکت کا خیال ہمارے خیال کے منافی ہے اسواسطے زید قابلِ حرکت زمین کا اور بھی اُس کا ہر ایک خیال اسواسطے کہ اُس کو ایک خیال میں ہمارے ساتھ اختلاف ہے قابل ماننے اور تصدیق کے نہیں۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ قیامت میں حشر اجساد ہو گا اور بکر اس امر کا قائل ہے کہ نہیں حشر ارواح ہی کافی اور وافی ہے چونکہ بکر کو اس خیال سے اتفاق نہیں ہے اسواسطے بکر ہر ایک خیال میں ہم سے اتفاق نہیں کر سکتا اگرچہ وہ دوسرے خیال قابل تسلیم ہی کیوں نہ ہوں۔ ہم خیال کے اختلاف کو ایک مرض ساریہ اور متعدی خیال کرتے ہیں صرف خیالات میں ہی نہیں بلکہ دوسری صورتوں اور امتیازات میں بھی اسکا

اثر جا پہونچتا ہے۔ اگر خیالات تک ہی یہ آفت اور یہ بلا ختم ہو جاتی تو تب بھی غنیمت تھا۔ غضب تو یہ ہے کہ عام خیالات۔ اور عام انجمنات سے گزر کر عزتوں اور ذاتیات تک اثر کر جاتی ہے۔

چونکہ زید ہمارے اس خیال سے ناموافقت رکھتا ہے یا چونکہ زید کا فلاں خیال یا فلاں تجویز ہماری رائے اور ہمارے خیال کے موافق نہیں اسواسطے اُسکا ہر ایک خیال ردی اور فضول ہے اور اُسمیں فلاں فلاں عیب اور فلاں نقص ہے وہ ذات کا فلاں اور فلاں ہے وہ فلاں فلاں جُرم اور گناہوں کا مرتکب ہو چکا ہے۔

ان کلموں سے یہ قرار دیا جاتا ہے کہ اگرچہ زید کے موںھ سے کوئی حق امر بھی نکلے مگر چونکہ وہ زید کے موںھ سے نکلا یا زید اُسکا قایل یا موجد ہے اسواسطے کسیصورت میں قابل تسلیم نہیں۔ خلاصہ اسکا یہہ ہے کہ چونکہ ہمارا ذاتی مخالف ہے اسواسطے اُسکا کوئی اچھا خیال اور مفید تجویز بھی ہماری مخالف ہے ہمیں لازم نہیں کہ اُسے تسلیم کریں۔

یہ طریق عمل اگرچہ مفید سمجھا جاتا ہے مگر درحقیقت یہ ایک خاندانہ اور مخالفانہ طریقہ ہے خیالات کو تردید نہیں کیا جاتا اور نہ خیالات کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ جہاں سے خیالات کا ظہور اور شیوع ہوتا ہے اُن دروں یا جگہوں کی خاص پرستش ہوتی ہے ایک خیال کو اسواسطے نہیں مانا جاتا کہ وہ حقیقت میں صاف اور دلایل ہے بلکہ اسواسطے کہ وہ فلاں موںھ سے نکلا ہے ایک خیال کو اس اعتبار سے نہیں کہا جاتا کہ قابل رد کرنے کے ہے بلکہ اس خیال سے کہ وہ فلاں طرف سے آیا ہے خیالات کی صحت اور سقم کے جانچنے کے واسطے دلایل اور براہین نہیں ہیں بلکہ پارٹی فیلنگ ہے ہر ایک خیال کے ساتھ پارٹی فیلنگ شامل ہے جانچنے سے اول اس امر کا معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ کس پارٹی سے نکلا ہے پس اُسکی تصدیق یا تردید کے واسطے پارٹی کا نام لے دینا کافی ہے اگر وہ پارٹی ہمارے موافق ہے تو ہمیں اُس خیال یا تجویز کے ماننے میں کوئی عُذر نہیں اور اگر مخالف ہے تو

پھر اس پر نظر کرنا بھی قومی یا مذہبی جرم ہے۔

ہماری ناراضگی اور اختلاف خیال سے نہیں ہوتا بلکہ اُس ذات سے کہ جو اُس خیال کی تنظیم اور موجد ہے گو کوئی خیال ماننے اور تصدیق کے ہی قابل ہو مگر چونکہ ہم اُس شخص سے جو اُس خیال کا ظاہر کرنے والا ہے ذاتی نفرت رکھتے ہیں اسواسطے ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ اُس کی تائید یا تصدیق کریں۔

ان خیالات نے یہاں تک لوگوں کے دلوں میں دخل کیا ہے کہ اب گویا خیالات کی محک ہی یہی صورت ہو گئی ہے۔ جسکو ہم خود اور وجوہات سے پسند نہیں کرتے اُس کے تمام خیالات بھی ہمارے نزدیک ناقص ہیں خیالات ہی ناقص نہیں بلکہ وہ خود بھی ہر طرح سے قابل عتاب ہے۔ گو ہم ان کدورتوں کو دلائل اور براہین اور مختلف واقعات کی آڑ میں بچاتے ہیں مگر اصلیت کب چھپی رہتی ہے آخر کھلجاتا ہے کہ دراصل ہمارا تنفر اور بیزاری اور خاص وجوہات پر مبنی ہے۔ ہم بظاہر تو اُن خیالات کو دلایل سے رد یا تسلیم کرتے ہیں مگر اگر ہمارے اندر کو دیکھا جائے تو معاملہ کچھہ اَور ہوتا ہے تردید اور عدم تسلیم کسی خیال کا ایک آسان اور معمولی مرحلہ تھا لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اس کو دُور تک پہونچایا جاتا ہے۔ گھر کے معاملات اور ذاتی خصوصیات کو ان امور اور ان ابحاث سے کیا واسطہ اور کیا تعلق ہے انہیں بھی سو بہانوں اور اینچ پینچ سے شامل کر لیا جاتا ہے گویا زمین کی بحث کو آسمان سے متعلق کر دیا جاتا ہے۔

خدا نے تو نیکی اور بدی کو اپنے قانون میں دو جُدا گانہ مدّوں میں دکھایا ہے اور دونوں کی اپنے اپنے موقعہ پر مُجرائی ملتی ہے مگر یہاں ایک بدی کے عوض میں جو گویا صرف ایک ہی شخص یا مُعترض کے اجتہاد میں بدی ہوتی ہے تمام خوبیاں اور تمام نیکیاں ملیامیٹ ہو جاتی ہیں۔ خدائی قانون میں نیکی یاد رہتی اور بدی کو فراموش کیا جاتا ہے مگر اس گورکھہ دھندے میں محض اختلاف خیال کے بدلے میں تمام دیگر امتیازات اور نیکیوں اور عُمدگیوں

کو برباد و یا جاتا ہے یہ حکم اور یہ قانون کیسا عمدہ اور قابل تعریف ہے کہ چونکہ فلاں شخص ہمارے خیالات کی قدر نہیں کرتا اور یا اس کا فلاں خیال ہمارے خیال کے وملایق نہیں اس واسطے اس کے کل کام ور کل خیال یا کل عمدگیاں قابل تردید اور لایق نفرت ہیں اگرچہ اس کی بعض کوششیں اور بعض تجویزیں اور بعض خیال لایق تسلیم اور اچھے بھی ہیں۔ مگر انکی تائید ضروری نہیں اگر اس عدم ضرورت اور عدم تسلیم کی وجہ دریافت کیجائے تو سوائے اندرونی بخار کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ یہ عجیب فیصلہ یا عجیب قانون کن دلایل اور واقعات پر مبنی اور موضوع ہے۔ ہمیں کوئی ایسی وجہ نظر نہیں آتی کہ جس سے دوسروں کے خیالات کو بغیر کسی دلیل کے اپنے خیالات کا مسموع قرار دینے کی کوشش کیجا سکتی ہو اگر ایک شخص یہ خواہش کرتا ہے کہ تمام لوگ میرے ہی اجتہادات اور خیالات کی تقلید کریں تو کیا دوسروں کو اس کے مقابلہ میں کوئی حق حاصل نہیں ہے ایسا قوی اور وسیع حق تو ایک مذہب اور قانون یا حکومت کو بھی حاصل نہیں:

مذہب اور قانون حکومت بھی چند ہی امور میں لوگونکو پابند اور معتقد کرکے باقی امور اور خیالات میں آزادی بخشتے ہیں یہ جابرانہ اثر تو اُس صورت میں لوگوں پر موثر ہو سکتا ہے کہ جب دوسرونکو قوت خیالیہ اور ممیزہ ہی نہ حاصل ہو جب تک لوگوں کی طبیعتوں سے خیالات کے نشو و نما کا سلسلہ بند نہ ہوگا تب تک امید نہیں کیجا سکتی کہ ایسی یک سوئی کی عجیب حالت وقوع میں آئے۔ یہ قید مرعی رکھنا کہ ان خیالات کے مخالف کوئی اور خیال شیوع اور ظہور میں ہی نہ آئے ایک محال امر کی آرزو رکھنا ہے اس شیوع کا سلسلہ کبھی اور کسی صورت میں بند نہیں ہو سکتا جب یہہ قدرتی سلسلہ بند نہیں ہو سکتا تو پھر اسقدر تخالف کی کیا ضرورت ہے اسیقدر کافی اور بس ہے کہ میں ایک خیال کو نہیں مانتا اُس خاص خیال کے سوائے اور جسقدر خیالات ہیں جن سے ہمیں کوئی نفاق نہیں وہ اس قابل ہیں کہ انکی تائید یا تصدیق کیجائے اور فرض کرو کہ ہمیں ایک شخص کے کل خیالات سے ہی تنفر اور بے رغبتی ہے

اس بیزاری اور نفرت کہ ہونے دو اُسکی ذات سے ہمیں کیا پرخاش ہے ، ہمارا بیزاری
نے یہ تو لازم نہیں کر دیا کہ اُس کی ذات سے بھی نفرت کیا جائے۔ ہاں اگر اُس کا حملہ بھی
ہماری ذات پر ہے تو اُسکا مقابلہ ہم کر سکتے ہیں جب اُن خیالات کو ہماری ذات سے
کوئی تعلق اور سروکار نہیں ہے تو پھر ہمیں ذاتیات اور خصوصیات شخصی تک پہونچنے
کی کیا ضرورت ہے خدا کی ذات کیا ہی وسیع الحوصلہ ہے لوگ اُس کی ذات تک بھی
جاتے اور طرح طرح کی بے ادبیاں کرتے ہیں مگر اُسکے اپنے فیضان کے لحاظ سے کسی کی
ذات سے تنفر اور بیزاری نہیں ہے جو لوگ اُسکی ذات صمدی سے بھی منکر ہیں اُنکو
بھی اُس کا فیض برابر پہونچتا ہے۔ ایک مذہب میں کہا گیا ہے کہ "تخلقوا باخلاق اللہ"
شاید اُسکا مدعا یہ بھی ہو کہ ایسے ہی طور پر انسانوں کو بھی آپس میں برتاؤ اور سلوک رکھنا
چاہئے مگر افسوس ہے کہ اسکا کچھ اثر بھی زمانہ میں نہیں پایا جاتا اس دور میں تو ایک خیال
دوسرے خیال پر حکومت اور جبر کرتا اور چاہتا ہے کہ لوگ خواہ مخواہ ہی اُس کو تسلیم
کریں۔ اور اگر اُسے تسلیم نہ کیا جائے گا تو گویا ایک شخصی جُرم ہوگا۔ اگر ہم کسی شخص سے
دریافت کریں کہ آپ فلاں شخص کو کیوں نہیں ملتے اور اُس سے ملنا جلنا کیوں ترک کیا گیا
تو اُس کا جواب یہ ہوگا کہ وہ ہم سے خیالات میں مخالفت رکھتا ہے اگر اُنکو یہ کہا جائے گا
کہ آپ کے ساتھ آپ کے فرزند اور بھائی اشکال اور مزاج میں بھی تو مشارکت کلی نہیں
رکھتے کیا اُن سے بھی آپکو نفرت اور بیزاری ہے اگر مشارکت کلی ہی بیزاری اور نفرت
کا موجب ہے تو ایسی صورت میں کیوں انسانیت اور آدمیت سے پیش آتے ہو یہ حالتیں
بھی تو نفرت اور بیزاری کی خواہاں ہیں تو معلوم نہیں کیا جواب ہو۔

اگر تخالف ہی موجب بیزاری اور کدورت کا ہے تو اُس کا عمل ہر ایک موقعہ پر ہونا
ضروری اور لازمی ہے۔ کیا ضرور ہے کہ صرف خیالات کے تخالف سے ہی اس کو وابستہ
رکھا جائے جہاں بیزاری کی شرط موجود ہے وہاں اُسکا عمل کیا جائے۔

ہمارا یہ قدرتی اور طبعی حق ہے کہ ہم اپنے خیالات کو آزادی سے ظاہر کریں اور جو دوسرے خیالات ہمارے خیالات کے مخالف واقعہ ہوئے ہیں اُنکی چھان بین کرتے ہیں جبتک کہ ہمیں اطمینان نہ ہوجائے اس بات کو روکنا کہ کوئی شخص ہمارے خیالات کے معاملہ میں اختلافی دلایل یا براہین قایم نہیں کرسکتا یا کسی شخص کو اُسنے اختلاف کرنیکا حق قدرتی حاصل نہیں یا ہمارے خیالات اس قابل ہیں کہ اُنکو ہر ایک شخص کا الوحی تسلیم کرے ایک ایسا قانون یا ایسا حکم ہے کہ طبیعتوں سے جسکی تعمیل نہیں ہوسکتی۔ کوئی طبیعت تاوقتیکہ اُسکو قطعی طور پر دلایل اور براہین سے قایل نہ کیا جائے اپنے قدرتی حق کو قربان نہیں کرسکتی اور نہ تخالف خیالات سے باز آسکتی ہے۔

تخالف خیالات کیا ہے یہ کہنا کہ میں اس امر کو بدون دلایل کے نہیں مانتا یا اسکے ایک اور عمدہ اور مفید خیال رکھتا ہوں یا اس خیال میں یہ نقص ہے یا اس خیال کے اظہار اور ایقاع کا یہ وقت نہیں ہے یا اس کے اظہار کی ترتیب یوں ہونی لازم تھی یہ تمام صورتیں وہ ہیں جو ہر ایک انسان کے دلمیں موجزن ہوتی ہیں اور جوش مارتی ہیں اگر ایک خیال سے کسیکو خلاف کے اتفاق ہے تو یہ اُسکا اختیاری امر ہے اسمیں کوئی نقص نہیں لیکن اگر اُسکو ایسا اتفاق نہیں تو اُسکا حق ہے کہ اپنے دلایل نااتفاقی اور براہین اختلافی کو پبلک کے سامنے پیش کرے شاید اُنہیں میں صداقت کی روح ہو جبتک اُنکا اظہار نہ ہو کیونکر سمجھا جائے کہ فی الحقیقت اُن دونوں میں سے کون خیال راست ہے یہ کہنا کہ کیوں کوئی دوسرا شخص ایسا اختلاف ظاہر کرے بعینہٖ یہ کہنا ہے کہ کوئی ثانی حالت دنیا میں موجود نہ ہو۔ جبتک دنیا سے حالت ثانوی کا ازالہ نہیں ہوگا تب تک ان اختلافی صور تونکا بھی دور ہونا سخت مشکل ہے۔

مناسب تو یہ ہے کہ جو لوگ دوسروں کے اختلافی خیالات سے گھبرا اٹھتے ہیں وہ سب سے اوّل خود ہی اُن اختلافات اور اُن دلایل اختلافی پر غور کی نگاہ سے

گھبراتے ہیں وہ سب سے اول خود ہی اُن اختلافات اور اُن دلایل اختلافی پر غور کی نگاہوں
سے استدلال کریں اگر اُنہیں جان اور صداقت ہے تو اُنکو قبول کیا جائے اور اگر اُنہیں
صداقت نہیں تو اُنکا اپنا خیال تو پہلے سے ہی قایم ہو چکا ہے خیالات کا اظہار اس غرض
سے نہیں ہوتا کہ اُنسے بصورت غلطی ثابت ہونے کے بھی نفرت نہیں کیجائے گی بلکہ
اسواسطے کہ اُس اظہار سے اُنکی صحت ہو کر ایک صحیح اور مسلمہ خیال قایم ہو۔ اس سبب سے
کسی دوسرے شخص کو بُرا کہنا اور اُسکی ہر ایک دوسری نیکی اور عمدہ پالیسی کو ٹھٹھوں
میں اُڑانا کہ [illegible] کا ایک یا دو خیال ناقص تھے ایک بڑی راہ ہے۔ کوئی اسواسطے
بُرا نہیں ہے کہنا کہ ہم اُس کے بعض خیالات اور تجاویز سے اتفاق نہیں رکھتے مان
[illegible] کے بعض خیالات ضرور صداقت سے بعید یا دُور از افادہ ہیں لیکن کیا
[illegible] ہم عمارتیں کو گرا دینگا - ہرگز نہیں ہر ایک اینٹ اپنے موقعہ پر لگائی جاتی
ہے [illegible] تحریر سے یہ بعض جو بات ہمکو اتفاق نہیں تو نہ سہی اُس کی اور
[illegible] دیکھو کیونکہ [illegible] ہے یہ طریق سخت ندامت اور خجالت کا موجب ہے
[illegible] ہر ایک امر اور ہر ایک خدمت کو ایمانداری کی نگاہوں سے دیکھنا لازم ہے اگر
ایک کاریگر نے ایک مکان کی دیوار میں ایک اینٹ کو ہمارے منشاء کے مخالف لگایا
ہے تو اُسکا سارا اچھا اور موزوں کام اور عمدہ کاریگری بھی مطعون نہیں بنائی
جا سکتی اور نہ اُسمیں کوئی نقص اور عیب آ سکتا ہے غایت درجہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس
اینٹ کی یہ نشست ہمیں پسند نہیں۔

افسوس ہمیں یہ صورت اور یہ اختصار پسند نہیں ہم معاملات کو خود ہی ترقی دیتے
اور خود ہی ذاتیات تک پہنچاتے ہیں فیصلہ کرنے کے واسطے قدرتی حق کا خیال کرنا
کافی ہے لیکن جھگڑے کے واسطے ہزاروں وجوہات اور دلایل پیدا ہو سکتی ہیں۔ یہ
کیا ضرور ہے کہ اختلاف خیالات کی وجہ سے ہم ایک شخص کو گالیاں بھی دیں اور اُس کی

ذاتیات میں دخل دیکر اُس کے شخصی تعلقات اور پرائیویٹ خصوصیات تک جا پہنچیں
بحث تو یہیں تک تھی کہ فلاں قومی یا ملکی یا سوشیل یا مذہبی حیثیت میں یہ تجویز یا یہ رائے درست ہے
اور یہ نہیں اور نتیجہ اُس کا یہ ہوا کہ ذاتیات اور تشخصات کو بھی شامل کر لیا گیا۔ یہاں تک
نوبت پہونچی کہ عدالتوں کے کٹہرے دیکھنے پڑے یہ کس بات کا نتیجہ اور آخر میں اس بات کا
کہ ہمارے مخالف کس شخص کو کچھ کہنے سُننے کا حق نہیں" اگر ہمیں اس قدرتی حق کی رغبت
ہوتی اور ہم سمجھتے کہ ہر ایک شخص کو ہر ایک خیال اور تجویز کے مقابلہ میں اپنا خیال ظاہر
کرنیکا حق حاصل ہے تو یہ بکھیڑا کبھی بھی نہ پڑتا جب ایک حق عام کر دیا جائے تو اُس کے
اظہار پر کبھی جھگڑا اور تنازعہ اوٹھنے کی اُمید نہیں کیجا سکتی ہر قسم کے تنازعات اس
صورت میں اُٹھتے اور پیدا ہوتے ہیں کہ جب اپنے سوائے اوروں کو اختلاف خیالات
اور اظہار رائے کا مجاز اور حقدار نہ سمجھا جائے۔ ایسا سمجھنا انسانیت نہیں ہے بلکہ ایک
شخصی یا وحشی حکومت کا خاصہ یا قانون ہے جیسے ہر ایک وحشی حکومت رعایا کے
مونہوں کو حق بات کے اظہار سے بھی روکتی اور بند کرتی ہے ایسے ہی یہ اشخاص بھی
اپنے خیالات کو محیط الطبائع سمجھ کر اور وں کو اُنکی جایز اور یقینی روک اور مخالفت سے بند
کرتے ہیں اور جب قدرتی تقاضا سے دوسری طرفوں سے اظہار اور اشاعت یا
مقابلہ اُن خیالات اور تجاویز کا ہوتا ہے تو پھر اُنہیں گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری
حق تلفی اور اُس حق میں دست اندازی کی گئی ہے جو صرف ہمارے ہی واسطے قدرتاً
محفوظ اور خاص تھا اور جسمیں اور لوگوں کو کوئی حق نہ تھا۔ قدرت تو کسیکو ایسا حق نہیں
دیتی اور نہ زمانہ کی یہ خواہش ہے مگر لوگ خود بخود ہی ان شرائط کو گھڑ لیتے ہیں۔
دنیا میں اس خود روی نے بہت سی مصیبتوں اور تکلیفوں کو موجود کر رکھا ہے جس
جس گروہ اور جس جس قوم میں یہ نمونے اور یہ خود رویاں پائی جاتی ہیں اُن میں انواع
و اقسام کے فساد اور نفاق دیکھتے ہیں ایک شخص کو دوسرے شخص سے نہ تو کوئی ذاتی

گھبراتے ہیں وہ سب سے اوّل خود ہی اُن اختلافات اور اُن دلایل اختلافی پر غور کی نگاہ
سے استدلال کریں اگر انمیں جان اور صداقت ہے تو اُنکو قبول کیا جائے اور اگر انمیں
صداقت نہیں تو انکا اپنا خیال تو پہلے سے ہی قایم ہو چکا ہے خیالات کا اظہار اس غرض
سے نہیں ہوتا کہ اُنسے بصورت غلطی ثابت ہونے کے بھی نفرت نہیں کیجائے گی بلکہ
اسواسطے کہ اِس اظہار سے انکی صحت ہو کر ایک صحیح اور مسلمہ خیال قایم ہو۔ اس سبب سے
کسی دوسرے شخص کو بُرا کہنا اور اُسکی ہر ایک دو نمبری نیکی اور عمدہ پالیسی کو ٹھٹھوں
میں اُڑانا کہ [illegible] ایک یا دو خیال ناقص تھے ایک بڑی راہ ہے۔ کوئی اسواسطے
بُرا نہیں ہو سکتا کہ ہم اُس کے بعض خیالات اور تجاویز سے اتفاق نہیں رکھتے مان
لیا جاوے [illegible] کے بعض خیالات ضرور صداقت سے بعید یا دُور از افادہ ہیں لیکن کیا
[illegible] ہم تمام نیکیوں کو کہہ دینگا۔ ہرگز نہیں ہر ایک اینٹ اپنے موقعہ پر لگائی جاتی
ہے۔ [illegible] کی ایک تجویز سے یا بعض وجوہات سے اتفاق نہیں تو نہ سہی اُس کی اور
[illegible] نیکیوں کو خیر باد کہنا ہے یہ طریق سخت ندامت اور خجالت کا موجب ہے
[illegible] ہر ایک امر اور ہر ایک خدمت کو ایمانداری کی نگاہوں سے دیکھنا لازم ہے اگر
ایک کاریگر نے ایک مکان کی دیوار میں ایک اینٹ کو ہمارے منشاء کے مخالف لگایا
ہے تو اُسکا اور سارا اچھا اور موزوں کام اور عمدہ کاریگری بھی مطعون نہیں بنائی
جا سکتی [illegible] میں کوئی نقص اور عیب آ سکتا ہے غایت درجہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس
اینٹ کی بیٹھکی ہمیں پسند نہیں۔

افسوس ہمیں یہ صورت اور یہ اختصار پسند نہیں ہم معاملات کو خود ہی ترقی دیتے
اور خود ہی ذاتیات تک لیجاتے ہیں فیصلہ کرنے کے واسطے قدرتی حق کا خیال کرنا
کافی ہے لیکن جھگڑے کے واسطے ہزاروں وجوہات اور دلایل پیدا ہو سکتی ہیں۔ یہ
کیا ضرور ہے کہ اختلاف خیالات کی وجہ سے ہم ایک شخص کو گالیاں بھی دیں اور اُس کی

ذاتیات میں دخل دیکر اُس کے شخصی تعلقات اور پرائیویٹ خصوصیات تک پہنچ جا چکی بحث تو نہیں تھی کہ فلاں قومی یا ملکی یا سوشیل یا مذہبی حیثیتیں یہ تجویز یا یہ رائے درست ہے اور یہ نہیں اور نتیجہ اُس کا یہ ہوا کہ ذاتیات اور تشخصات کو بھی شامل کر لیا گیا۔ یہانتک نوبت پہونچی کہ عدالتوں کے کمرے دیکھنے پڑے یہ کس بات کا نتیجہ اور اثر ہیں اس بات کا کہ ہمارے مخالف کس شخص کو کچھ کہنے سننے کا حق نہیں۔ اگر ہمیں اس قدرتی خواہش کی رعایت ہوتی اور ہم سمجھتے کہ ہر ایک شخص کو ہر ایک خیال اور تجویز کے مقابلہ میں اپنا خیال ظاہر کرنیکا حق حاصل ہے تو یہ بکھیڑا کبھی بھی نہ پڑتا جب ایک حق عام کر دیا جائے تو اُس کے اظہار پر کبھی جھگڑا اور تنازعہ اوٹھنے کی اُمید نہیں کیجا سکتی ہر قسم کے تنازعات اس صورت میں اُٹھتے اور پیدا ہوتے ہیں کہ جب اپنے سوائے اوروں کو اختلاف خیالات اور اظہار رائے کا مجاز اور حقدار نہ سمجھا جائے۔ ایسا سمجھنا انسانیت نہیں ہے بلکہ ایک شخصی یا وحشی حکومت کا خاصہ یا قانون ہے جیسے ہر ایک وحشی حکومت رعایا کے مونہونکو حق بات کے اظہار سے بھی روکتی اور بند کرتی ہے ایسے ہی یہ اشخاص بھی اپنے خیالات کو محیط الطبایع سمجھ کر اوروں کو اُنکی جائز اور یقینی روک اور مخالفت سے بند کرتے ہیں اور جب قدرتی تقاضا مہ سے دوسری طرفوں سے اظہار اور اشاعت یا مقابلہ اُن خیالات اور تجاویز کا ہوتا ہے تو پھر انہیں گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری حق تلفی اور اُس حق میں دست اندازی کی گئی ہے جو صرف ہمارے ہی واسطے قدرتاً محفوظ اور خاص تھا اور جسمیں اوروں کو کوئی حق نہ تھا۔ قدرت تو کسیکو ایسا حق نہیں دیتی اور نہ زمانہ کی یہ خواہش ہے مگر لوگ خود بخود ہی ان شرائط کو گھڑ لیتے ہیں۔

دنیا میں اس خود روی نے بہت سی مصیبتوں اور تکلیفوں کو موجود کر رکھا ہے جس گروہ اور جس جس قوم میں یہ نمونے اور یہ خود رویاں پائی جاتی ہیں اُن میں انواع و اقسام کے فساد اور نفاق دیکھتے ہیں ایک شخص کو دوسرے شخص سے نہ تو کوئی ذاتی

عداوت ہے اور نہ کوئی دشمنی صرف چند معمولی خیالات کی اختلافی صورتوں سے
چند در چند مخمصے پیش آرہے ہیں اور ایک دوسرے کی عداوت پر تلے بیٹھے ہیں
دل سے جانتے ہیں کہ کبھی ساری دنیا ایک راہ پر نہیں آسکتی اور ہر ایک شخص کو اظہار
یا اختلاف رائے کا اختیار ہے مگر عمل میں اسکو نہیں لاتے - یہ مرض جلسوں اور پارٹیوں
میں ہی نہیں پائی جاتی بلکہ اسکا اثر خاندانوں میں بھی جا پہونچا ہے باہر کے خیالات سے
ایک خاندان میں بھی نفاق کی آفت دخیل ہو جاتی ہے - مذہبی - ملکی - قومی اور سوشیل
معاملات سے اس قسم کے زہریلے اثر تمام خاندانوں اور نسلوں میں سرایت اور اثر کرتے
جاتے ہیں اور تمام کی حالت دن بدن بگڑتی جاتی ہے - ملک میں ترقی تعلیم اور
تہذیب نے گویا پہلا اثر یہ کیا ہے کہ ایک کو ایک سے لڑا دیا ہے جیسے چند جانور
ایک دانہ سے خون خرابہ ہوتے ہیں ایسے ہی ایک اختلاف سے جماعتوں کی جماعتیں دنگا
مشتی ہو کر ملک کے سامنے ایک نمونہ قایم کرتے ہیں - اس نوبت میں آکر اصلی
خیالات تو (کہ جہاں سے معاملہ اُٹھا تھا) کف دریا کیطرح بیٹھ جاتے ہیں اور دیگر معاملات
ذاتی یا شخصی میں بحث شروع ہو کر اَور ہی رنگ ہو جاتا ہے - یہانتک کہ وہ اصلیت
ہی بھولجاتی ہے - لڑنے والوں کو یہ یاد بھی نہیں رہتا کہ معاملہ کہاں سے شروع ہوا
تھا اور کہاں جا پہنچا - ایکدوسرے سے ایسی بیزاری اور نفرت ہو جاتی ہے کہ گویا ایک
ذات کو دوسری ذات سے ایک سخت اذیت اور تکلیف پہونچی ہے - گناہ خدا کا
کیا جاتا ہے اور ایک شخص خواہ مخواہ اُس کو اپنا گناہ قرار دیتا ہے - گویا ایسا شخص
اپنی ذات کو پبلک کا آئینہ اور خدا کا قایمقام سمجھتا ہے - گناہ ایک مذہب یا بانی
مذہب کا ہوتا ہے اور دوسرا شخص خواہ مخواہ اُس کو اپنا گناہ قرار دے کر لڑائی کرتا
ہے - خدا کہتا ہے کہ مجھے حقوق عباد سے کوئی واسطہ نہ ہوگا لیکن لوگ حقوق خدا سے
جسکا بدلہ یا سزا وہ خود دے گا معارضہ اور مناقشہ کرتے ہیں گویا انکو خدا کی قایمقامی

حاصل ہو۔ نتیجہ نہیں کہ حقوق خدائی پر لوگونکو توجہ دلائی جائے مگر اسمیں منافرت اور مخالفت کو ایک اصول قرار دینا زیبا اور درست نہیں۔

پبلک کی خاطر ہم ایڈیٹر سکتے ہیں اور مناسب مجادلہ بھی ضروری ہے لیکن ذاتیات میں دست اندازہو کر معاملات کو بڑھانا خود ایک بد امنی اور نقص کو پیدا کرنا ہے انسان جانور اور پرند نہیں ہے کہ اسمیں دوسرا انسان اپنی طاقت سے چھو کرکے اوڑا دیگا ہر ایک انسان ایک حق رکھتا ہے وہ حق اسکو قدرت سے حاصل ہوا ہے تاوقتیکہ وہ انسان ہے اسکے علیحدہ لائیکہ وہ مقدار ہے کوئی ایسی طاقت نہیں کہ اُس حق قدرتی سے اُس کو روک یا مزاحمت کرسکے۔ دُنیا کی ترقی اسی میں ہے کہ ہر ایک انسان اس حق کو کام میں لائے اور تخالف خیالات سے نقص اور صحت کو ظاہر کرے۔ کہا گیا ہے کہ قدر الاشیا بالاضداد اگر اضداد کا سلسلہ دنیا میں نہ ہو تو ایک کو دوسرے پر کسطرح فوقیت نصیب ہوسکتی ہے اور اضداد کا وجود سوائے تخالف خیالات کے ظہور میں نہیں آسکتا اگر ہمیں کسی کے خیال اور تجویز سے تخالف ہی نہیں تو ضد کب پیدا ہوگی۔ ضد کا وجود ہی تخالف سے پیدا ہوتا ہے اور اُس ضد سے قدر و منزلت ہوتی ہے یہ جو کسی بزرگ نے کہا کہ "الاختلاف رحمتہ" رحمت کا موجب اور دلیل یہی ہے کہ اختلاف قدردانی کا موجب ہے اگر ایک شخص کے خیالات کو چُپ چاپ بلا اختلاف اور بلا مقابلہ تسلیم کیا جائے تو اُسکی کیا قدر ہوسکتی ہے قدر اُس صورت میں ہوگی کہ جب اختلاف اور مقابلے سے ایک جو ثابت اور متحقق ہو وہی بہادر نظروں میں جچتا ہے کہ جو اکثروں کو پچھاڑ چکا اور جو دُشمنوں کی نگاہوں میں خارسان کھٹکتا ہو جس بہادر اور جس پہلوان کو اکھاڑوں اور میدانوں میں کوئی جانتا نہیں اُس پر دوسرونکو کیا رشک ہوسکتا ہے وہ ایک ایسا کمال ہے جو دل کے پردوں کے اندر مخفی ہے۔

جن لوگوں اور جن ناموروں سے دنیا کو اختلاف ہے اُنہیں خوشی اور فخر کا موجب ہے کیونکہ اُنکی باتیں دُنیاوالوں کے نزدیک اختلاف کے قابل دکھائی دیتی ہیں اگر مقابلہ کے

بعد وہی قدیم رہیں تو بہتر ورنہ انہیں اور جدید سا ہونکی ملائش کرنی ہوگی۔ اگرچہ لوگ انکی دقیانوسیت تک جاتے ہیں اور انکی شان محققانہ میں ایسے کلمات کا بھی دلیری سے اطلاق ہوتا ہے کہ جو مناسب اور موزوں نہیں ہیں۔ مگر انہیں انکا کیا خوف اور کیا ڈر ہے اگر ان کے خیالات درست ہیں تو وہ ضرور دنیا میں اپنی جگہہ آپ ہی لیں گے انہیں کسی کی امداد اور اعانت کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر انمیں صحت اور صداقت کا نام نہیں تو وہ ان اختلافات سے پہلے ہی اٹھ جائیں گے یہ لوگ شاید ایسے محدود اور تنگ خیال ہونگے کہ جیسے اُن سے معاندہ کرنے اور لڑنے والے ہیں انہیں ضرور اس امر کا یقین اور خیال ہوگا کہ اختلاف خیالات سے اخیر کو ایک برکت پیدا ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ انکا خیال کمزور اور اصلاح طلب ہو۔ جو لوگ ابھی دیسے ہی خیالی رکھتے ہیں انہیں اس قسم کی مخالفتیں اور معاندتیں دکھ نہیں پہونچا سکتیں ہاں اور دوں کو یہ افسوس ضرور ہوتا ہے کہ کیوں عام بحثوں اور جھگڑوں کو خصوصیات اور ذاتیات میں منتقل کیا جاتا اور کیوں اس پر زور دیا جاتا ہے کہ سب بانی ایک ہی راستے بیٹھے۔ اور سب ہوائیں ایک ہی راہ سے گذریں گو یہ آرزو اچھی ہے لیکن اس آرزو کو لڑائی اور جنگ سے چاہنا ایک غلطی اور لغزش ہے۔ لڑائی اور جنگ سے اس قسم کی طبعی مخالفتیں دور نہیں ہوسکتیں اس وقت کی کبھی بھی انتظار نہیں رکھنی چاہیے کہ سب دنیا کے خیالات یکساں ہوجائیں گے اور تمام کائنات بلا اختلاف ہر ایک خیال اور ہر ایک تجویز کو قبول کرلے گی۔ معلوم نہیں ابھی دنیا کی کسقدر عمر ہے ممکن نہیں کہ اس عمر میں بھی اگرچہ وہ تھوڑی ہو یا بہت ہماری یہ ناممکن خواہش پوری ہوسکے۔ زندگی میں تو انسان اس حالت کو حاصل نہیں کرسکتا۔ ہاں یاد رہے مرنے پر بھی سب کی قبریں الگ الگ ہوتی اور سب جدا جدا دفنائے اور کفنائے جاتے ہیں۔ انسانی جماعتوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ ان عارضی اور ابتدائی طبعی اختلافوں سے درگذر کرکے نتیجوں کے توحد اور اتفاق پر زور دیں جو باتیں مصدقہ اور مسلمہ ہیں انکو ایک اتفاق اور اتحاد سے تسلیم کریں ذاتی مخالفتوں اور شخصی معاندتوں کو ذات اور شخصیت ہی میں محصور اور محدود رکھیں عام اور پبلک معاملات میں نہ

لیجائیں۔ کیا ایک گھر کے معاملات کی بابت ہو رہی آپس کی منزمیں بحث اور جھگڑا کیا جا سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگر ایک خیال تسلیم کرنے اور ماننے کے قابل نہیں تو کیسا زور اور جبر نہیں بلا شک دلایل کے ساتھ اُس سے انکار کرو لیکن یہ کیا ضرورت ہے کہ اس انکار کے ساتھ ہی صاحب خیال کی ذات پر بھی حملہ کر دیا جائے اور اُسے بھی سخت سخت صلواتیں سُنائی جاویں انسان کے عمل سے متنفر ہونا چاہیے نہ کہ اُسکی ذات سے اگر وہ خیال واقعی عمل کے قابل نہیں تو تمہیں کسی مجبور کیا ہے نہ عمل کرو۔ دنیا میں انسان کو نہیں صرف بلغ ما انزل الیك کی ڈیوٹی کافی ہے نہ کہ جبر بلکہ اور مذہبی معاملات پر بحث کرنیوالی جماعت پولیس کے اختیارات اور فرائض نہیں رکھتی کہ خواہ مخواہ کی نکتہ چینیوں اور پرخاش سے سوراغ رسانی کے مواد تلاش کرے۔ اُس کے فرائض تو عادلانہ اور منصفانہ میں بشرط ثبوت اور دلایل کے فیصلہ دیا جائے یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ ہم فلاں خیالات کے رو سے فلاں شخص سے نفرت اور اختلاف رکھتے ہیں کیوں نہیں کہا جاتا کہ ہمیں فلاں شخص کے فلاں خیال سے نفرت ہے ہم اُسکو کسی صورت سے تسلیم نہیں کر سکتے کیا یہ عمل کافی نہیں ہے اگر انصاف کو ساتھ لیا جائے تو یہ عمل بالکل منصفانہ اور کافی ہے اس سے بڑھ کر جو کارروائی کیجائیگی وہ تجاوز عن العدالت ہوگا عمل نا قبول خیال سے اجتناب کرکے دیگر امور میں اُسکو اور اُس کی عمدہ کارروائیوں کو انصاف اور محبت کی نگاہوں سے دیکھو اور اگر اُنمیں بھلائی اور نیکی پاتے ہو تو اُنکے اتمام میں پوری اور مناسب امداد کرو یہ نہ دیکھو کہ ان امور کا منصرم یا محرک فلاں شخص یا فلاں ذات ہے ہمیں تشخصات اور ذوات سے کیا مطلب ہمیں ہر ایک مطلب کو جائے خود الگ الگ نظر سے دیکھنا چاہیے جیسے امتحانات کے سوالوں کے جوابات پر حسب حیثیت جواب نمبر دیتے ہیں اور اُسوقت یہ نہیں دیکھتے کہ طالب علم نے فلاں سوال کے جواب میں صریح غلطی کی ہے بلکہ یہ امر مد نظر رکھتے ہیں کہ جیسا جواب اُسکی طرف سے ہوگی ویسے ہی اُسکو نمبر دئے جائیں گے اسی اصول پر انسان کے ہر ایک کام اور نیکی بدی کو دیکھنا چاہیے عمل جدا جدا ہیں اور اُنکی غرضیں بھی جدا جدا ہوتی ہیں عمل وار نتیجہ نکالنا ضروری ہے ایک عمل کی غلطی سے لازم نہیں آتا کہ تمام دیگر عملوں کو بھی ناقص اور ردی قرار دیا جائے ہمیشہ انسان کے خیالات اور ارادوں کی بنیاد چند اسباب پر مبنی ہوتی ہے اور اسباب کا نتیجہ وقت اور ضرورت اور چانس پر موقوف ہے اگر بعض خیالات ایک انسان کے غلطی آمیز ہیں تو ایسا ہونا ممکن ہے اور امکانی صورت میں نفرت اور ذاتی بیزاری پیدا کر لینا ایک سخت ‌‌ ساحت اور ستم ہے اگر ہمسے پوچھا جائے کہ انسان کا ایسے اختلافات کی حالت میں باہمی عمل کیا ہونا چاہیے تو ہم یہ جواب دینگے کہ ایسی امور میں بلاشک ایکدوسرے کی تردید اور تائید کیجائے لیکن یہ تردید اور تائید انہیں دائروں

اور انھنیں احاطوں میں دائرہ اور معاملہ رہنی چاہئے کہ جو اُس کے واسطے مخصوص ہیں تردید
اور تائید کے ماسوا وقتوں میں مجلسوں میں اُن کا ذکر بھی نہیں ہونا چاہئے دوسری حالتوں
میں یہ شبہہ بھی نہ گذرے کہ اس جماعت یا ان شخصوں میں کوئی نفرت اور جھگڑا ہے جو بحث کا
کمرہ ہے اُس سے نکل کر ایسا عمل کرو کہ ایک ہی خیال کے پابند دکھائی دو۔ امام غزالی صاحب
اپنی ایک تصنیف میں لکھتے ہیں کہ بعض صوفیائے کرام نے دُنیا میں ایسے طور پر زندگی بسر کی تھی
کہ انہوں نے مدتوں اکٹھے رہنے پر بھی ایکدوسرے سے سوال نہیں کیا کہ آپکی رائے یا قیاس
کیا ہے اور آپ یہ کیا کرتے ہیں۔ واقعی یہ عمل بہت ہی تعریف کے قابل ہے جب مذہبی
معاملات اور امور میں یہ حکم ہے کہ "من عمل صالحاً فلنفسہ ومن اساۂ فعلیہا" تو
دنیوی امور میں اس سے زیادہ آزادی ہونی چاہئے۔
اختلافات خیالات کی صورت ایسی نہیں ہے کہ اُس سے دنیات میں سُست اندازی کی ضرورت
ہو وہ جدا ہے اور دنیات جدا ہیں دونوں کا عمل بھی جداگانہ ہونا لازم ہے۔
یہ ایک عجیب بات ہے کہ جاہل فرقہ میں ہی ان نقصوں کا زور اور حدوث نہیں ہوتا بلکہ سب سے اول پڑھی
لکھی جماعت اور مہذب پارٹی میں یہ آگ سلگتی ہے اور رفتہ رفتہ اسکی خوفناک چنگاریاں
جاہلوں میں پہونچکر اور ہی آفت برپا کرتی ہیں تعلیم یافتوں کی حالت اب التعلیم نے گویا کسقدر
ہری بھری ہوتی ہے جسمیں نفاق کی آگ بتدریج اثر کرتی ہے لیکن جاہلوں کی حالت خشک ہونے
کے سبب بہت جلد اثر کو قبول کرتی ہے اور دیکھتے دیکھتے ہی شعلے اٹھتے معلوم دیتے ہیں۔ اس
کا گناہ جاہلوں کے سر پر نہیں ہے بلکہ ان تعلیم یافتہ گروہوں کے سر و ہیر کہ جو اس آگ کو سلگاتے
ہیں اور نہیں جانتے کہ اس کے شعلے کہاں تک اثر کریں گے اور انسے کیا کچھ آفت مچیگی۔
دنیاداری کے واسطے اب یہ زمانہ اس جملہ کی اشاعت کو چاہتا ہے۔ عیسے بدین خود موسے
بدین خود جو فطرتی حقوق ہیں اُنکا نشو و نما ہو رہا ہے اور ہر ایک کی خواہش ہے کہ اپنے اپنے
قدرتی حق کو حاصل کرے۔ ہر ایک طبیعت اپنے حق کے غاصبوں کو دیکھتی اور اسپر غور کرتی ہے
زمانہ بھی رفتہ رفتہ آزادی کی چابیاں انسانوں کو دینا چاہتا ہے۔ جو انسانی جماعتیں اور جو ملک انکے
قابل اور لایق ہوتے ہیں وہ خزانوں کو پاتے اور اپنے صرف میں لاتے ہیں اور جو ابھی ناپختہ
اور ناقابل ہیں انکو کھلتے دیکھ جاتی ہیں۔ زمانہ انتظار اور اس اُمید میں ہے کہ وقت پر
انکی بھی دست گیری کیجائے۔ جو قومیں اور جو لوگ تنزدماغ ہیں وہ ذاتی اور شخصی لڑائیوں میں
مبتلا ہو کر دشت کا نقش قدم لے رہے ہیں وہ اپنی قوم کے اچھے خیالات اور اچھے نمونوں کو اپنے
خود رد پانوں کے نیچے روندتے ہیں۔ وہ ذاتی کاوشوں اور ذاتی خیالات سے گویا عام حقوق
کو تلف کرنے سے دریغ نہیں کرتے وہ عمدہ تجویزوں کی اسواسطے مخالفت نہیں کرتے کہ وہ در اصل
عمدہ نہیں ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ اُنکے دماغ سے کیوں نہیں نکلیں اور انکو دنیا میں اُنکے
نام سے کیوں نہیں شہرت دی گئی وہ یہ نہیں سمجھتے ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔